درد کا سفر

(افسانے)

حمیرا جمیل

درد کا سفر

درد کا سفر

(مختصر افسانوں کا مجموعہ)

حمیرا جمیل

انتساب

پیارے

ابو جی

کے نام

فہرست

دیباچہ

بہت ہی دلکشی ہے تحریر میں ، اور روانی اور سلیس اردو میں افسانہ لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ معاشرے کے سلگتے مسائل کی نشاندہی کر کے افسانہ نگار نے اپنی تیز نگاہوں کا ثبوت دیا ہے۔ مصنفہ کی نگاہ میں معاشرے میں بکھری ہوئی آپس کی ناراضگی اور ایک دوسرے پر عدمِ اعتماد سے کیسے کیسے اندوہناک واقعات رونما ہوتے ہیں۔

لیکن افسانہ نگار نے افسانوں کے عنوانات میں منفی پہلو کو زیادہ نمایاں کیا ہے ۔شک، غلط فہمی ، دھوکا جیسے عنوانات میں زندگی کے مثبت پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ آپس میں بڑھتی ہوئی دوری اور حسد اور نفرت بڑے حادثات کا باعث بنتے ہیں۔ اور پھر دوسروں سے بہت زیادہ امیدیں انسان کی عزتِ نفس کو مجروح کر دیتی ہے۔ مصنفہ نے خاص طور پر اپنے افسانے دھوکا میں آج کی نئی نسل کی ترجمانی کی ہے کہ کس طرح اعتماد کا خون کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہر قدم پھونک کر اٹھانا چاہیے ،غرض افسانہ نگار نے اپنی اس کوشش میں افسانے کو نئے رنگ سے آشنا کیا ہے۔

خصوصاً افسانے کے برجستہ جملوں نے دلکشی پیدا کی ہے ۔جس کی وجہ

سے ان کے افسانوں کو شاہکار افسانے کہا جاسکتا ہے۔ میری نظر میں ان کی اس کوشش کو زیادہ سے زیادہ سراہا جائے ۔ تا کہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ جو بھی ان افسانوں کو کھلے دل اور کھلے ذہن سے پڑھے گا وہ مصنفہ کی الفاظ پر گرفت اور ماحول کو بہت اچھے انداز میں پیش کرنے کو پسند کرے گا۔ میری دعا ہے کہ افسانہ نگار اپنی کوشش میں مزید کامیاب ہو ۔ اور اردو کو ایک اچھا افسانہ نگار ملنے پر مبارک باد دیتا ہوں۔

محمد سلیم جاوید

ایسوسی ایٹ پروفیسر

گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ

۲۱۔۰۶۔۱۷

دھوکا

''کرن۔۔۔اری کرن۔۔۔اُٹھ جا! تیری صبح کب ہوگی؟ صبح کے گیارہ بج گئے ہیں۔''

''اُف خدایا! کیا گھر ہے؟ میں یہاں پر اپنی مرضی سے سو بھی نہیں سکتی۔''
کرن لحاف کو پیچھے ہٹا کر بیڈ سے نیچے اترتی ہے۔ کچن میں کھڑی ماں کے پاس جاتی ہے۔

''امی آپ کا مسئلہ کیا ہے؟ صبح صبح آپ کا لیکچر شروع ہوجاتا ہے۔ میری سہیلیاں تو دوپہر کے ایک بجے اٹھتی ہیں۔''

''تم ہر وقت اپنی سہیلیوں کی مثالیں نہ دیا کرو۔ ہر گھر کا ماحول مختلف ہوتا ہے۔''

''امی بس کردیں میری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ میں آزادانہ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔'' کرن غصے سے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ کرن واپس آکر امی سے کہتی ہے۔

''امی میں یونیورسٹی جا رہی ہوں۔''

''دن کے بارہ بجے کون سی یونیورسٹی کھلی ہوتی ہے۔''

''امی یونیورسٹی کا کوئی مقررہ وقت نہیں ہوتا۔ اچھا میں جا رہی ہوں۔''

''جلدی آنا۔''

''کوشش کروں گی۔'' آمنہ اور نایاب گفتگو میں مصروف ہے۔ آمنہ کی نظر کرن پر پڑتی ہے۔

''لو کرن بھی آ گئی۔''

''کرن یار کہاں رہ گئی تھی تم۔''

''ٹریفک بہت تھی۔''

''اچھا یہ دیکھو میں نے نیا موبائل لیا ہے۔''

''کتنے کا ہے؟''

''چالیس ہزار کا۔''

''آمنہ کیا قسمت ہے تمہاری؟ میں بھی امی سے بات کرتی ہوں کہ مجھے بھی نیا موبائل فون خرید کر دے۔''

''کرن تمہیں اچھی خبر سناؤں!''

''کیسی خبر؟''

''نایاب کی منگنی ہو گئی ہے۔''

''سچی......!! مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں آ رہا۔''

''نایاب سے پوچھ لو۔''

''نایاب تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔''

''ہاں بس اچانک ہو گئی۔''

’’کرن چھوڑو ان باتوں کو آؤ کینٹین چلتے ہیں۔ میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔‘‘ کرن سوالیہ نظروں سے نایاب کی طرف دیکھتی ہے۔

’’نایاب تم ہنس کیوں رہی ہو؟‘‘

’’مجھے ایسا لگتا ہے کہ کرن تم کو اپنی امی کی یاد ستارہی ہے۔‘‘

’’نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آمنہ کرن کو بتاتی ہے کہ شام کے چار بج گئے ہیں۔‘‘

’’کیا ؟ آج تو بہت وقت ہوگیا ہے۔ امی میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ خدا حافظ !‘‘

ماں کھڑی انتظار کر رہی ہوتی ہے۔

’’آ گئی تم اتنی دیر کیوں لگی ؟‘‘

’’امی پیپر شروع ہونے والے ہیں اس لیے لیٹ ہوگئی۔‘‘ للچائی ہوئی نظروں سے کرن امی کی طرف دیکھتی ہے۔

’’امی میرا موبائل کافی پرانا ہوگیا ہے۔ امی مجھے ایک نیا موبائل فون لے دیں۔‘‘

’’ہر وقت فرمائشیں ۔ میں دن بھر لوگوں کے کپڑے سلائی کرتی ہوں ۔ تجھے میری کوئی پرواہ نہیں۔‘‘

’’امی میں جب بھی کچھ مانگوں آپ دکھ بھری داستان شروع کر دیتی ہیں۔ میں سونے جارہی ہوں مجھے تنگ نہ کیجیے گا۔فون کی گھنٹی لگا تار بج رہی ہے۔‘‘

’’کرن کس کا فون ہے؟‘‘

’’ہیلو کرن تم آج یونیورسٹی کیوں نہیں آئی۔‘‘ کرن فون پر کون ہے؟

’’امی نایاب کا فون ہے۔ امی میں بات کر کے آتی ہوں۔‘‘

’’ہاں نایاب! یار یونیورسٹی آؤ۔ سوچ کیا رہی ہو؟ میں نے آج تم کو اپنے کزن سے ملوانا تھا۔ آجاؤ یونیورسٹی میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔‘‘

’’اچھا آتی ہوں۔‘‘ کرن کو سڑک پر کھڑی نایاب مل جاتی ہے۔ کرن نایاب کو سڑک پر دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

’’نایاب تم یہاں کیا کر رہی ہو؟‘‘

’’تمہارا انتظار۔ نایاب یہ میرا کزن وقاص ہے۔ وقاص کو تمہارا تعارف میں پہلے ہی کروا چکی ہوں۔‘‘

’’کرن تم بہت خوب صورت ہو۔‘‘

’’جی میں آپ کو نہیں جانتی۔‘‘

’’لیکن میں آپ کو جانتا ہوں۔‘‘

’’اچھا میں چلتی ہوں مجھے گھر پر کام ہے۔ امی کا فون آرہا ہے۔‘‘

’’نایاب میری بات سنو۔‘‘

’’کرن تم اتنی جلدی پریشان کیوں ہوجاتی ہو؟ میرا کزن وقاص بہت اچھا ہے۔

وقاص میں جا رہی ہوں گڈ بائے۔‘‘

’’کرن آؤ کسی ریسٹورنٹ میں چلیں،،

''مجھے اپنے گھر جانا ہے۔''

''کرن میری بات تو سنو۔'' کرن ابھی چند قدم دور ہی جاتی ہے کہ وقاص پیچھے سے بھاگتا ہوا آتا ہے۔کرن کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔چیختی چلاتی آہ زاری کرتی کرن۔'' وقاص میرا ہاتھ چھوڑ دو مجھے گھر جانا ہے۔''

'' تیرا ہاتھ چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا۔''وقاص کرن کا بازہ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کرن کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔بجلی گرج رہی ہے، بارش برس رہی ہے۔

''میرا دل گھبرا رہا ہے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''کرن تو کہاں ہے ؟ یا میرے خدا ! میری بیٹی ابھی تک کیوں گھر نہیں آئی ؟''

سسکیاں بھرتی ہوئی ماں غم زدہ ہے۔۔۔۔

چوری

’’میڈم جی نہ ماریئے میری بیٹی نے چوری نہیں کی۔ وہ معصوم ہے۔‘‘
اونچی آواز میں دھاڑتے ہوئے ،’’تیری بیٹی نے ہی چور کی ہے ۔تم دونوں ماں بیٹی ہو ہی مکار ، لوگوں کے گھروں میں جا کر مختلف بہانے بنا کر لوٹتی ہو۔جس تھالی میں کھاتی ہو اسی میں چھید کرتی ہو۔‘‘عامر ماں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے کہتا ہے۔
’’امی جو ہونا تھا ہو گیا ہے۔اب ہنگامہ برپا کرنے کا کیا فائدہ؟‘‘
’’عامر بیٹا میری ہیرے کی انگوٹھی۔ عامر امی کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے‘‘
امی ایک برا خواب سمجھ کر اسے بھول جائیں۔‘‘
آنسو پونچھتے ہوئے۔’’دفع ہو جاؤ تم دونوں میری نظروں سے ، آئندہ مجھے اس محلے میں دکھائی نہ دینا۔‘‘
ریشما جلدی سے اپنی بیٹی کو نیم بے ہوشی کی حالت میں فرش سے اٹھاتی ہے اور دروازے سے باہر نکل جاتی ہے۔زینب اپنی ماں کو کہتی ہے۔
’’امی اگر ریشما کی بیٹی کے پاس انگوٹھی ہوتی تو اتنی مار کے بعد وہ اس سے برآمد ضرور ہوتی۔ بالکل اسی بات نے تو مجھے تجسس میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ظہر کی اذان

ہو رہی ہے۔''

''زینب میں ظہر کی نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ عامر کے کپڑے استری کر دینا۔''

''جی ابھی کر دیتی ہوں۔''

زینب عامر کے کپڑے استری کرنے کے لیے اس کے کمرے میں جاتی ہے تو زینب عامر کو فون پر بات کرتے ہوئے سنتی ہے۔

''یار تم فکر نہ کرو رقم کا بندوبست ہو گیا ہے۔''

عامر زینب کو بیڈ کے پاس کھڑا دیکھ کر چونک اٹھتا ہے۔

''زینب تم میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟''

''بھائی آپ کے کپڑے استری کرنے آئی ہوں۔''

وہ الماری میں سے کالی شلوار قمیض نکال لو۔ زینب الماری کی طرف بڑھتی ہے تو عامر اسے روک لیتا ہے۔

''ٹھہرو میں خود نکال دیتا ہوں، زینب عامر بھائی کا یہ رویہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔'' بھائی کا ایسا رویہ تو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بھائی کیا چھپا رہے ہیں؟ زینب کپڑے استری کر رہی ہوتی ہے کہ امی زینب کے لیے سیب کاٹ کر لاتی ہیں۔

''امی آپ نے مجھ سے کہنا تھا میں آپ کو پھل کاٹ دیتی۔''

''یہ کون سا مشکل کام ہے؟ زینب چل آ کر میرے ساتھ سیب کھا لے میں تیرے لیے کاٹ کر لائی ہوں۔''

''ہاں امی مجھے یاد آیا میں نے آپ سے عامر بھائی کے بارے میں بات کرنی تھی۔''

''کیا بات کرنی ہے؟''

''امی عامر بھائی کا رویہ بہت عجیب سا ہو گیا ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔ کچھ دن صبر کر جب اس کی شادی ہوگئی ٹھیک ہوجائے گا۔''

''امی آپ میری بات کو سمجھ نہیں رہیں۔''

''میں سب سمجھتی ہوں۔'' زینب تو آ میرے ساتھ۔

''امی کدھر؟''

'' عامر کے کمرے کی صفائی کرنے کے لیے وہ گھر پر نہیں ہے اگر گھر پر ہوتا تو کبھی صفائی نہ کرنے دیتا۔'' کمرے میں عجیب سی بو ہے۔ کپڑے بکھرے ہوئے ہیں، برش گرا ہوا ہے۔

'' خدا بھلا کرے اس لڑکے کا کیا حال کیا ہوا ہے کمرے کا۔''

'' زینب تو الماری میں سے دھونے والے کپڑے نکال۔''

زینب الماری کھول کر کپڑے نکال رہی ہوتی ہے کہ اس کی نظر ہیرے کی انگوٹھی پر پڑتی ہے۔

''زینب امی کو پکارتی ہے۔''

'' کیا ہوا؟''

''امی یہ تو آپ کی انگوٹھی ہے۔''

'' کہاں سے ملی؟''

''امی بھائی کی الماری میں سے ۔ امی یہ انگوٹھی بھائی نے چوری کی تھی۔''
امی بیٹے کی چوری پر پردہ پوشی کرتے ہوئے بولتی ہے۔''نہیں یہ غلطی سے
عامر کے پاس آگئی ہوگی وہ بتانا بھول گیا ہوگا۔''

شک

میں کوئی پھول ہوتی جس کی خوشبو سارے باغ کو اپنی گرفت میں لے لیتی یا کوئی پرندہ ہوتی جو آزادی سے گھوم سکتا ہے۔ اپنے آپ سے باتیں کرتی۔ خوشنما ممانی کی آواز کانوں میں پڑتے ہی اداس ہوجاتی ہے۔

''خوشنما کہاں مرگئی تو؟''

''جی ممانی۔''

'' تجھے تھوڑا سا بھی احساس ہے کہ تیری ممانی نے رات کا کچھ بھی نہیں کھایا۔ میں ناشتہ ہی بنادوں۔''

''میں ابھی بنا دیتی ہوں امی جان!''

''پھر امی جان! کتنی دفعہ تجھ سے کہا ہے کہ مجھے امی نا کہا کر تجھے کم سنائی دیتا ہے۔ جا جا کر میرے لیے جلدی سے ناشتہ بنا کر لا۔''

''جی ابھی لاتی ہوں۔''

''ماں تو مرگئی مگر اس کو میرے شوہر کے گلے میں پھانسی کا پھندہ بنا کر لٹکا گئی۔ خدا جانے یہ کس جرم کی سزا ہے؟ میں آج ہی عائشہ کے ابو سے بات کرتی ہوں۔''

''گڈ مارننگ مما۔۔۔ عائشہ اُٹھ گئی تُو۔ تھوڑا اور سو لینا تھا رات دیر تک پڑھتی رہتی ہے۔ اپنا خیال رکھا کر تُو دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے۔ میری بیٹی تو بیٹھ میں تیرے لیے آج خود ناشتہ بناتی ہوں۔''

''امی جوس ضرور بنایئے گا۔''

''اچھا اور کچھ چاہیے۔''

''نہیں مما۔ کچن سے آواز آتی ہے۔''

''عائشہ میں نے ناشتہ ڈائننگ ٹیبل پر لگا دیا ہے۔ آکر کھا لو۔''

''اچھا مما۔ ماں حیران ہو کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف دیکھتی ہے۔ کتنا وقت گزر گیا ہے اور ناشتہ ویسے ہی پڑا ہے۔ عائشہ کدھر گئی ہے۔ یہ لڑکی بھی عجیب ہے پل بھر میں غائب ہو جاتی ہے۔ خوشنما سے پوچھتی ہوں۔

''خوشنما تو نے عائشہ کو دیکھا ہے۔ وہ کہاں گئی ہے؟''

''وہ تو شاید اپنے دوستوں سے ملنے گئی ہے۔''

''اف خدایا! کیا کروں؟ میں اس لڑکی کا، اس کو اپنی ذرا بھی فکر نہیں۔ خوشنما تم کپڑے دھو کر نیچے آؤ! ابھی برتن بھی دھونے والے پڑے ہیں۔''

''جی ممانی!''

خوشنما خود سے سوال کرتی ہے۔

''کیسی زندگی ہے میری؟ میں سارا دن گھر میں کام کرتی ہوں۔ لیکن پھر بھی میرے متعلق کوئی نہیں پوچھتا۔ آج تو سورج بھی آنکھیں دکھا رہا ہے۔''

''عائشہ آگئی تو؟''

’’کیوں امی ؟ کیا ہوا ہے؟ آپ اتنی پریشان کس وجہ سے ہیں؟‘‘

’’میں نے جو تیرے لیے ناشتہ بنایا تھا۔تو اسے کھائے بغیر چلی گئی۔‘‘

’’امی ندا کو مجھ سے کام تھا۔ اس لیے جانا پڑا۔‘‘

’’امی میں نے آپ کو ایک راز کی بات بتانی ہے۔‘‘

’’عائشہ کون سی بات؟۔۔۔‘‘

’’امی خوشنما کے کسی لڑکے سے تعلقات ہیں۔ وہ رات کے بارہ بجے تک کسی لڑکے سے بات کرتی ہے۔‘‘

’’ہائے یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ سننے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی ؟‘‘

’’امی اب پچھتانے کا کیا فائدہ میں تو آپ سے پہلے ہی کہتی تھی کہ اس کی شادی کر کے اس کو گھر سے رخصت کریں۔ میری بات اس وقت بھی آپ نہیں سنتی تھی۔‘‘

’’میں آج ہی تیرے ابو سے بات کرتی ہوں۔ اس لڑکی نے تو ہماری عزت کا جنازہ نکالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ مجھے تو پہلے ہی شک تھا۔‘‘

’’امی وہ کہاوت آپ کو یاد ہے ۔۔۔ اب پچھائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔‘‘

’’اچھا امی میرا کام تھا بتانا میں نے بتا دیا، میں نہانے جا رہی ہوں۔ رات کے آخری پہر میں کسی کے دروازہ پیٹنے کی آواز آتی ہے۔‘‘

’’خوشنما دروازہ کھول ۔‘‘

ماموں اتنے غصے میں تو کبھی نہیں آئے۔ وہ جلدی سے دروازہ کھولتی ہے۔

''جی ماموں!''

''تیرے کسی لڑکے کے ساتھ روابط ہیں۔''

''ماموں ایسا کچھ بھی نہیں۔''

''تو تیری ممانی کا دماغ خراب ہے کہ وہ مجھے تیرے خلاف بھڑکائے گی۔''

''ماموں مجھ پر یقین کریں۔''

''تجھ کو اتنا بڑا کیا پڑھایا لکھایا۔تو نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔تو خوشنما نہیں بلکہ بدنما داغ ہے ہمارے گھر پر۔''

''ماموں میں آپ کی عزت خراب کرنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سوچ سکتی۔''

ہاتھ جوڑتی معافیاں مانگتی خوشنما کی آواز ہمیشہ کے لیے بند کردی جاتی ہے۔محض ایک بے بنیاد شک کی بناء پر۔

غلط فہمی

محبت کیا ہے؟ پہلی نظر میں ہی کسی کے عشق میں گرفتار ہو جانا یا ہر وقت کسی کے انتظار میں رہنا یہ محبت ہے۔ کسی کو حاصل کرنے کی خواہش رکھنا مگر کسی کو حاصل کرنے کا سوچنا یہ تو ہوس ہے۔

محبت تو وہ عظیم جذبہ ہے جو ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے؟ ندا نہا کر باہر آتی ہے۔

''حورین تم کن خیالوں میں گم ہو؟ آفس نہیں جانا۔''

''تمہیں کس نے کہا نہیں جانا؟''

''تمہارا چہرہ مجھے کچھ اور ہی بتا رہا ہے۔''

''میرے چہرے کو کیا ہوا ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ تمہیں سر حارث کی یاد ستا رہی ہے۔''

''ہر وقت ایک ہی بات۔''

''سوری مذاق کر رہی تھی۔''

''ندا میرا دل کرتا ہے کہ میں محبت کے موضوع پر ایک مقالہ لکھوں ''۔۔۔۔ زنیرہ کی آواز آتی ہے۔

''حورین تم نے فلاسفر بننا ہے۔''

''تم دونوں مجھے طنز کیوں کر رہی ہو؟''

''حورین تم جس طرح کی باتیں کرتی ہو۔ وہ ہماری سمجھ میں تو نہیں آتی۔''

''تم دونوں بس کرو آفس جانا بھی ہے کہ نہیں۔ نو بجنے والے ہیں۔
حورین کو آفس کی سڑک پر سعد مل جاتا ہے۔''

''سعد کیسے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ حورین تم بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔ سب ٹھیک ہے
نا۔ اچھا ندا اور زنیرہ دکھائی نہیں دے رہی۔''

''وہ پیچھے کھڑی ہے آ رہی ہیں۔''۔

حورین کمرے کے اندر داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرتی ہے۔

''سر آ جاؤں۔''

''بالکل میں تمہیں ہی بلانے والا تھا۔ حورین یہ کچھ فائلز ہیں۔ ان کو آج
ہی مکمل کر کے جانا۔''

''اوکے سر۔ سعد حورین کے ساتھ والی کرسی پر خاموشی سے بیٹھ جاتا
ہے۔''

''سعد کوئی کام ہے۔''

''حورین مجھے غلط مت سمجھنا۔''

''کیوں کیا ہوا ہے؟''

''مجھے ایسا لگتا ہے کہ سر حارث تم سے محبت کرتے ہیں۔ حورین کا چہرہ سرخ

ہوجاتا ہے"

"وہ ہر وقت تمہاری طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ کل رات کو بھی تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھ رہے تھے۔"

"میرے بارے میں پوچھنے کا مطلب؟ تمہاری سوچ کے مطابق محبت ہے۔"

"سعد تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ لیکن تمہارے ان بے تکے اور فضول سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

"حورین میری بات تو سنو۔ تم نے مجھے غلط سمجھا ہے۔"

حورین کچھ سنے بغیر کرسی سے اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ تذبذب کا شکار حورین سوچنے پر مجبور ہے کیا سب ٹھیک کہتے ہیں کہ سر حارث مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا۔ سر حارث کا میری طرف دیکھنا، میرا انتظار کرنا کیا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ خدا کرے یہ صرف غلط فہمی ہو۔۔۔ کافی رات ہو چکی ہے اب مجھے سونا چاہیے۔ اچانک حورین کی آنکھ کھلتی ہے۔ یہ شور کہاں سے آرہا ہے؟ حورین کمرے سے باہر آتی ہے۔ یہ شور تو ندا اور زنیرہ کے کمرے سے آرہا ہے۔ حورین دروازے کو کھٹکھٹاتی ہے۔ ندا آواز دیتی ہے۔

"کون ہے؟"

"میں حورین۔"

"تم نے تو ڈرا دیا۔"

’’میں نے کہ تم لوگوں نے۔‘‘

’’ہم نے کیا کیا ہے؟‘‘

’’اتنا شور آرہا ہے تم لوگوں کے کمرے سے۔میں ڈر گئی ۔‘‘

’’ مجھے اور زنیرہ کو نیند نہیں آرہی تھی۔ ہم نے سوچا کے ہم باتیں ہی کرلیں۔‘‘

’’اچھا ہوا تم بھی آگئی اب زیادہ مزا آئے گا۔‘‘

’’بہتر ہے کہ تم دونوں ہی باتیں کرو مجھے نیند آرہی ہے۔جیسی تمہاری مرضی۔‘‘

صبح کے آٹھ بجے باہر سے بس کے ہارن کی آواز سنائی دیتی ہے۔

’’ندا میں آفس جارہی ہوں تم اور زنیرہ آجانا۔ خدا حافظ!دوپہر کے بارہ بج گئے ہیں۔‘‘

’’اف خدایا! سر ابھی تک کیوں نہیں آئے ؟‘‘ ندا حورین سے پوچھتی ہے۔

’’سر ابھی تک کیوں نہیں آئے؟‘‘

’’حورین تم جانتی ہو۔‘‘

’’نہیں میں نہیں جانتی ۔‘‘

’’حورین بی بی آپ کے لیے چائے لاؤں۔‘‘

’’نہیں ۔‘‘حورین زنیرہ کے کیبن میں جاتی ہے۔

’’زنیرہ میں تھوڑی دیر کے لیے گھر جارہی ہوں۔جلدی واپس آجاؤں گی۔‘‘

''حورین تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔''

'' ہاں میں ٹھیک ہوں۔ اندھیرا چھانے والا ہے۔ رات کے نو بج گئے ہیں۔''

''حورین تم اتنی دیر کہاں تھی؟''

''سر میں گھر تھی مجھے کچھ کام تھا۔''

''اچھا لو مٹھائی کھاؤ۔''

''کس خوشی میں سر؟ تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟''

''کیا سر؟''

''میرا بیٹا پیدا ہوا ہے۔ تم مجھے مبارک نہیں دو گی۔''

''مبارک ہو سر۔'' حورین کے منہ سے نکلنے والے الفاظ اس کی زبان کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس کے منہ سے بار بار یہی الفاظ نکلتے ہیں۔

''سر آپ کو بہت مبارک ہو۔۔۔''

لختِ جگر

ماں کی آواز میں درد تھا۔

''میری جان میری زندگی کا اثاثہ تو ٹھیک ہے نا۔۔۔۔۔؟''

''امی کیا ہوا ہے؟ آپ صبح صبح میرے کمرے میں کیا لینے آئی ہیں؟''

''بیٹا تیری رات کو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''امی میں ٹھیک ہوں۔آپ جائیں یہاں سے مجھے مزید تنگ مت کریں''۔۔۔۔

ماں جلتے ہوئے دل کے ساتھ باہر صحن میں آجاتی ہے۔

''امی میں نے آپ سے بات کرنی ہے۔''

''ہاں بولو پاکیزہ۔''

''امی میں ایم ۔فل کرنا چاہتی ہوں۔'' ماں اُکتا کر بولتی ہے۔

'' گھر کا کوئی کام بھی سیکھ لے۔ہر وقت پڑھائی ۔''بات کاٹتے ہوئے۔۔۔

''بابر اُٹھ گیا تو ؟ پاکیزہ جا جلدی سے بھائی کے لیے چائے بنا کر لا''۔۔۔۔

پاکیزہ مایوس ہو کر چائے بنانے کچن میں چلی جاتی ہے۔۔۔۔ امی بابر بھائی سے کتنی محبت کرتی ہے، اور مجھ سے ذرا بھی نہیں۔ پاکیزہ کو ابو کی آواز سنائی دیتی ہے۔ پاکیزہ بھاگتی ہوئی جاتی ہے۔

''میں ابو سے بات کرتی ہوں''

''ابو جی، ابو جی۔''

''کیا بات ہے پاکیزہ؟''

''ابو میں ایم۔فل میں داخلہ لینا چاہتی ہوں۔''

''پھر وہی بات ہر وقت ایک ہی بات نہ کیا کرو۔تم نے اتنا پڑھ کے کون سا تیر مار لینا ہے، جب میں تیری عمر میں تھی میں نے سلائی، کڑھائی سب سیکھ لیا تھا۔''

''پاکیزہ بیٹی تم اپنی ماں کی باتوں کی طرف دھیان نہ دیا کرو۔تم ضرور ایم۔فل کرنا۔''

''ابو آپ کتنے اچھے ہیں۔''

ابو کی یہ بات سن کر پاکیزہ کو یوں لگتا ہے جیسے اس کی زندگی واپس لوٹ آئی ہو۔ رات کے تین بجے ہیں۔ گھڑی کی سوئیوں کی ٹِک ٹِک کی آواز تواتر سے سنائی دے رہی ہے۔۔۔۔۔وقت گزرتا جا رہا ہے۔

''بابر تو ابھی تک کیوں نہیں آیا۔میں تیرا انتظار کر رہی ہوں۔''

''عظمت بیگم بابر کا انتظار نہ کرو کہ وہ بگڑ گیا ہے اور وہ ضرور ایک دن اس گھر کو برباد کر کے چھوڑے گا۔بیگم جس کو تم اپنا لختِ جگر کہتی ہو وہ تمہاری

پرواہ تک نہیں کرتا۔"

انتظار کرتے کرتے تھکی ہوئی ماں بے چاری صوفے پر بیٹھ جاتی ہے۔ بابر کہاں رہ گیا تو قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ بابر نشے کے عالم میں زمین پر گرتا ہوا گھر کے اندر داخل ہوتا ہے۔

"میرے بیٹے تجھے کیا ہوا؟ تیرے چہرے کا رنگ اتنا اترا ہوا کیوں ہے؟"

"خدا کے واسطے! میرا پیچھا چھوڑ دیں۔"

بابر میری بات تو سن، وہ کچھ سنے بغیر اپنی ماں کو دھکا دے کر کمرے میں چلا جاتا ہے۔ یہ سوچے بغیر کہ جس کو اس نے دھکا دیا ہے وہ میری ماں ہے۔ جو میرے انتظار میں جاگ رہی تھی۔۔۔ باپ اپنے بیٹے کا یہ رویہ دیکھ کر کہتا ہے۔

"عظمت بیگم میری دعا ہے، خدا کسی کو ایسا بیٹا نہ دے۔کون سے ظلم کی سزا ہے کہ میرا نام نہاد بیٹا مجھے اپنے باپ کو بلانا تک گوارا نہیں کرتا۔صبح کو ۸ بجے کسی کے زور دار دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دیتی ہے پاکیزہ جا کر دروازہ کھولتی ہے۔"

"لڑکی تیرا بھائی کدھر ہے؟"

"آپ کون ہیں؟"

"اپنے بھائی کو بلا۔ پاکیزہ دوڑتی ہوئی جاتی ہے۔"

"ابو باہر کچھ لڑکے بھائی کا پوچھ رہے ہیں۔"

''تم بیٹھو میں خود دیکھتا ہوں۔''

''بابر کہاں ہے؟''

''میں بابر کا باپ ہوں مجھ سے بات کرو۔'' ہاتھ میں تسبیح پکڑے ہوئے ماں آتی ہے۔

''تم سب بابر کے دوست ہو۔''

''دوست تھے مگر اب نہیں ہیں۔''

''بابر نے کچھ غلط کام کیا ہے؟''

''بابر نے میری بہن کے ساتھ کل شام زیادتی کی تھی۔ جس کا بدلہ ہم لینے آئے ہیں۔ وہ'' ہمارے ہاتھ سے زندہ نہیں بچے گا۔

''نہیں نہیں بیٹا تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا بابر ایسا نہیں کرسکتا۔''

''انکل اگرآپ ہمیں نہیں بتائے گئے بابر کہاں ہے؟ تو بھی ہم بابر کو ڈھونڈ لیں گے۔''

''آہ زاری کرتی ہوئی ماں نہیں میرا لختِ جگرمیرا بابر ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔''

''کسی لڑکی کے ساتھ زیادتی ۔۔۔۔نہیں!''

حسد

’’امی میں کل مولوی صاحب کے گھر گئی وہاں حسد کے موضوع پر بحث ہو رہی تھی۔ مجھے کنول کی بات سن کر حیرت ہوئی مجھے یقین نہیں آیا جب اس نے کہا کہ حسد صرف دوستوں کے درمیان ہی نہیں بلکہ رشتہ داروں میں بھی ہوتا ہے۔‘‘

امی ہاں میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیتی ہے۔’’نادیہ حسد تو اچھے بھلے گھروں کو تباہ کر دیتا ہے۔‘‘

’’لیکن امی ہمارے رشتہ دار تو بہت اچھے ہیں۔ پھوپھو کی تو مثال نہیں ملتی۔ وہ تو مجھے سونیا سے زیادہ محبت کرتی ہے۔ سونیا پھوپھو کی بات ہی کر رہی ہوتی ہے۔صحن سے پھوپھو کی آواز سنائی دیتی ہے۔‘‘

’’امی پھوپھو آئی ہے۔ میں ابھی ان کو اندر لے کر آتی ہوں۔ پھوپھو آپ باہر کیوں کھڑی ہے؟‘‘

’’رکشے والے کو پیسے دینے تھے۔ نادیہ آج تو بہت ہی گرمی ہے۔‘‘

’’پھوپھو گرمی تو روز ہوتی ہے۔‘‘

’’اچھا پھوپھو آپ کمرے میں بیٹھیں میں آپ کے لیے جوس لاتی ہوں۔‘‘

''زبیدہ خدا تمہیں لمبی زندگی عطا کرے۔ ابھی نادیہ تمہارے ہی متعلق بات کر رہی تھی۔''

''بھابھی گھر میں کام ہی اتنے ہوتے ہیں کہ آنے کا وقت نہیں ملتا۔''

''یہ تو اب ہر گھر کا معمول ہے ۔ بھابھی نادیہ کی شادی کے بارے میں کچھ سوچا۔''

''نہیں ابھی تو نہیں۔''

''پھوپھو ٹھنڈا جوس پئیں۔''

''نادیہ میری بات سن پھوپھو کے لیے کھانے میں کچھ بنا لے۔''

''اچھا امی ۔'' نادیہ اسرار کرتے ہوئے کہتی ہے

''پھوپھو آپ سونیا کو بھی لے آتی۔''

''اگر میں سونیا کو لے آتی تو گھر کے کام کون کرتا؟''

''آپا میری سونیا بہت سگھڑ ہے ۔ گھر کے سارے کام کرتی ہے۔ میری تو دعا ہے کہ خدا ہر ایک کو ایسی بیٹی دے۔''

'' آمین! نادیہ کچن سے باہر آتی ہے امی یہ سبزی بنا دیں۔''

''نادیہ گھر میں کیا کرتی ہو میرا مطلب ہے کہ پڑھائی چھوڑ دی ہے۔''

''نہیں پھوپھو۔''

''مجھے ایک کتاب لکھنے کی آفر ہوئی ہے۔ یہ بات سن کر پھوپھو چپ کر جاتی ہے۔''

''پھوپھو کیا ہوا ہے؟''

''مجھے کیا ہونا ہے؟''

''میں سوچ رہی ہوں کہ بھائی سے بات کروں۔''

''پھوپھو کس بارے میں؟''

''تیری شادی کے بارے میں۔''

''پھوپھو جب آپ اس طرح کی باتیں کرتی ہیں تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''نادیہ شادی تو ہر ایک کی ہوتی ہے۔''

''لیکن پھوپھو آپ میری کامیابی کے لیے دعا کیا کریں۔''

''اچھا جیسی تمہاری مرضی۔ میرا کام تھا سمجھانا۔''

''کون سی گفتگو ہو رہی ہے۔ پھوپھی اور بھتیجی میں۔'' نادیہ بات کاٹتے ہوئے بولتی ہے۔۔۔

''امی سبزی بنا دی آپ نے۔''

''ہاں بن گئی ہے۔''

''بھابھی مجھے تو جیسے ہی سونیا کا کوئی اچھا رشتہ ملا میں نے تو اس کی شادی کر دینی ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں بھی نادیہ کی شادی بہت جلد کر دوں گی۔''

''کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔''

''وقت بہت ہو گیا ہے بھابھی۔ میں اب چلتی ہوں سونیا گھر میں اکیلی ہے۔''

''زبیدہ بیٹھو کھانا کھا کر جانا۔ نہیں آپا اب کچھ دن بعد آؤں گی۔''

''بھائی کو میرا اسلام کہیے گا۔ خدا احافظ !''

''امی پھوپھو چلی گئی۔''

''ہاں۔۔۔''

''نادیہ بیٹا کدھر ہو۔''

''جی ابو۔''

''ایک گلاس پانی کا تو لاؤ۔''

''ابو آپ کی طبیعت ٹھیک ہے ؟''

''ہاں بیٹی ۔مجھے یاد آیا نادیہ تمہیں جو کتاب کی آفر ہوئی تھی اس کا کیا بنا؟''

''ابو وہ کتاب تو میں نے لکھ کر ای ۔میل بھی کر دی ہے۔''

''اتنی جلدی ؟''

'' ابو آدھی کتاب تو میں نے پہلے ہی لکھی ہوئی تھی۔ اور مجھے یقین ہے کہ کتاب کا جو مسودہ میں نے بھیجا ہے ۔ وہ ضرور کتابی شکل میں شائع ہوگا۔''

''بیٹی خدا تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے ۔ آمین !''نادیہ خوشی میں کمرے سے باہر آتی ہے۔

''امی ابو آپ کہاں ہیں ؟ پھوپھو آپ بھی آئی ہیں۔''

پھوپھو کو دیکھ کر نادیہ کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہے۔ پھوپھو طنزیہ لہجے میں کہتی ہے۔

''نادیہ کیا ہوا ہے؟''

''ابو جس کتاب کا مسودہ میں نے لکھ کر ای ۔میل کیا تھا (پبلیکشنز والوں کو۔ ان کو کتاب کا مسودہ بہت پسند آیا ہے۔ اور بہت جلد وہ کتاب شائع ہوگی۔''

یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔ جاؤ جلدی سے اپنی پھوپھو کے لیے مٹھائی لے کر آؤ۔''

پھوپھو کرسی سے اٹھتی ہے۔

''بھائی نہیں مجھے گھر جلدی جانا ہے۔''

''ابھی تو تم کہہ رہی تھی کہ میں ایک دو دن رہنے کے لیے آئی ہوں۔''

''کہا تھا مگر مجھے گھر پر کچھ کام ہے۔ نادیہ پیچھے سے آواز دیتی ہے۔''

''پھوپھو مٹھائی تو کھالیں۔''

مگر پھوپھو چلی جاتی ہے۔ مٹھائی کی پلیٹ لیے ہاتھ میں کھڑی نادیہ سوچتی ہے کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ پھوپھو بات سنے بغیر چلی جائے۔ انہوں نے تو میری کتاب کا سنا تو ان کے چہرے کا رنگ ہی اتر گیا۔ غرض یہ کہ پھوپھو نے تو مجھے مبارک بھی نہیں دی۔

قصور

کھلے آسمان کے نیچے ننگے پاؤں ایک ماں جو اپنے بیٹے کی زندگی بچانے کے لیے منتیں کر رہی ہے۔۔۔

"خدا کے واسطے نہ مارو۔ کوئی قصور نہیں میرے بیٹے کا اُس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔"

"بی بی میری بات سن تیرا بیٹا چوری میں ملوث ہے۔ہم نے اسے حویلی سے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے، اور تیری طرح ہر ماں تھانے میں آکر یہی کہتی ہے میرا بیٹا معصوم ہے۔"

"انسپکٹر صاحب میری بات سینیے۔ میں غریب ہوں میں کہاں جاؤں؟ میرا بیٹا میری زندگی کا آخری سہارا ہے۔"

"اماں ہمارا اور وقت ضائع نہ کر جا یہاں سے ۔اگر تجھے اپنے بیٹے سے بہت محبت ہے ،تو پیسے لے کر آ ہم اُسے چھوڑ دیں گے یا پھر کسی حکومتی بندے کی سفارش لے کر آ۔" اے جا اماں کو دروازے تک چھوڑ کر آ۔

"آئیں اماں جی۔"

"میں کہاں جاؤں کس سے سفارش لاؤں؟"

بے دھیانی میں چلتی ہوئی ماں، موٹر سائیکل کی ٹکر سے زمین پر جا گرتی ہے۔

''اماں جی آپ ٹھیک ہیں نا۔''

''میری لاٹھی مجھے پکڑا دو۔''

''اماں جی اتنی گرمی میں آپ سڑک پر کیوں پیدل چل رہی ہے۔''

''بیٹا میرا ایک کام کرو۔''

''جی۔''

''مجھے کسی حکومتی رکن یا بندے سے ملوادو۔ یا پھر جہاں وہ رہتا ہے مجھے وہاں چھوڑ آؤ۔''

''اماں جی آپ نے کیا کرنا ہے وہاں جا کر۔''

''بیٹا زیادہ سوال نہ کرو۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔ اماں مجھے یاد آیا یہاں قریب ہی ایک جلسہ ہے جہاں پر کسی وزیر کی آمد متوقع ہے۔ آپ کہیں تو میں وہاں تک چھوڑ سکتا ہوں۔''

''ہاں چھوڑ دو، چھوڑ دو۔جلسے کے باہر ایک ہنگامہ برپا ہے۔ دھکم پیل کا منظر دکھائی دے رہا ہے۔''

''اماں جی آپ اندر کیسے جائیں گی؟ اندر تو بہت رش ہے۔''

''میں چلی جاؤں گی تم میری فکر نہ کرو۔گرتی سنبھلتی ہوئی ماں، غم زدہ دل کے ساتھ جلسے میں تشریف لیجاتی ہے ۔ اسٹیج کے پاس کھڑے آدمی سے ماں گزارش کرتی ہے ۔''

’’مجھے اس پینٹ کورٹ پہنے ہوئے شخص سے بات کرنی ہے۔‘‘

’’وہ دھکا دے کر پیچھے کر دیتا ہے۔‘‘

’’بیٹا میری بات سن۔‘‘

’’بڑھیا تو پاگل تو نہیں تو جانتی بھی ہے وہ کون ہے؟ وہ اس ملک کا وزیر ہے۔اگر اس کی جان چلی گئ تو کون قصور وار ہوگا؟‘‘

’’میرے بیٹے کی جان مشکل میں ہے۔‘‘

’’تو اماں پولیس کے پاس جا۔ یہاں کیا کررہی ہو؟روتی ہوئی ماں جلسے سے باہر نکل جاتی ہے۔وہ دوبارہ پولیس اسٹیشن جاتی ہے۔‘‘

’’ آگئی اماں تو پھر؟ کسی نے مدد کی ۔کوئی ملا۔‘‘

’’میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔ میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں۔ چھوڑ دو اسے‘‘

’’اماں تیر ابیٹا چوری کے علاوہ ٹارگٹ کلنگ میں بھی ملوث ہے ۔اماں اب تو تیرے بیٹے کے کھاتے میں ایک اور جرم کا اضافہ ہو گیا ہے۔‘‘

’’تم سب جھوٹے ہو۔ میرے بیٹے نے کوئی قصور نہیں کیا۔‘‘

’’ اماں جیل میں صرف مجرموں کو بند کیا جاتا ہے جن کا قصور ہو۔‘‘

’’میرا ذیشان مجرم نہیں۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔‘‘

’’اماں جی ۔۔۔ ہر ماں یہی کہتی ہے میرا بیٹا قصور وار نہیں۔‘‘

لکھاری

لکھنے والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ ان کی تحریریں پڑھنے والوں کے دلوں میں گھر کر جاتی ہیں۔ جس کی مثالیں ہمیں آج بھی نظر آتی ہیں۔ جیسے احمد ندیم قاسمی ،اشفاق احمد، سعادت حسن منٹو ان سب نے اپنی لکھی ہوئی تحریروں کی وجہ سے شہرتِ دوام حاصل کی۔ اعجاز جو اپنی بیوی کو سمجھا رہا ہوتا ہے خدا کے واسطے بس کر دیں میرے کان پک گئے ہیں آپ کی یہ باتیں سن سن کر۔

''کیا ملا آپ کو لکھاری بن کر؟ ہم پہلے بھی غریب تھے ہم آج بھی غریب ہیں۔لوگ ترس کھا کر ہمیں کھانا دے جاتے ہیں۔ آپ کی لکھی ہوئی کتابوں پر آج تک تو کوئی حکومتی ایوارڈ نہیں ملا۔ ہماری ایک ہی بیٹی ہے جو کینسر کے مرض کا شکار ہے۔ آپ کو اُس کا بھی خیال نہیں آتا۔ وہ دن بدن مر رہی ہے۔''

''بیگم میری بات سنو۔'' وہ کچھ سنے بغیر منہ پھیر کر چلی جاتی ہے۔اعجاز پھر لکھنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ وہ لکھ رہا ہوتا ہے کہ اسے باہر اپنی بیٹی کے رونے کی آواز سنائی دتی ہے۔وہ بھاگتا ہوا صحن میں جاتا ہے۔

''کیا ہوا ہے؟ آمنہ تمہیں۔''

''ابو میرے سر میں بہت درد ہے۔''

''میں تمہارے لیے پانی لاتا ہوں۔آمنہ تمہاری ماں کدھر ہے؟''

''وہ تو کسی کے گھر کام کرنے کے لیے گئی ہے۔''

''اچھا تم لیٹ جاؤ میں ابھی آتا ہوں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے واجد کے گھر جا رہا ہوں۔تمہاری ماں آئے گی تو بتا دینا اسے۔''

''جی ابو۔''واجد کے گھر جاتے ہوئے بھی اسے صرف یہی خیال ہوتا ہے کہ کہیں واجد ادھار پیسے دینے سے انکار نہ کر دے۔ اعجاز کو واجد گھر کے باہر ہی مل جاتا ہے۔

''اعجاز کیا حال ہے تمہارا؟''

''ہاں یار ٹھیک ہوں۔'' تمہاری بیٹی کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

'' واجد کوئی فرق نہیں پڑا وہ روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ خدا اسے صحت عطا کرے۔''

''آمین''

''واجد مجھے تم سے کچھ ادھار پیسے چاہئیں۔ میں بہت جلد تمہیں لوٹا دوں گا۔''

'' اعجاز میں معذرت خواہ ہوں۔اگر میرے پاس تھوڑے بہت بھی پیسے ہوتے میں تجھے ضرور دیتا۔''

''واجد یار کوئی مسئلہ نہیں۔ مجبور باپ۔۔۔۔ میری بیٹی کے بجائے مجھے کینسر ہو جاتا میں مر جاتا۔ اے خدا میری مدد فرما!''اعجاز کے ذہن میں اچانک

خیال آتا ہے۔

''کیوں نا میں اپنا ایک گردہ بیچ دوں، گردہ بیچنے کے عوض جو مجھے رقم ملے گی میں اس سے اپنی بیٹی کا علاج کروالوں گا۔''

اعجاز ہسپتال میں گردہ بیچنے کے متعلق اسپتال کے وارڈن سے بات ہی کر رہا ہوتا ہے کہ پولیس کے چند اہلکار آتے ہیں اور وہ اعجاز کو اٹھا کر تھانے لے جاتے ہیں اسے جیل میں بند کر دیتے ہیں۔

اعجاز کے منہ سے بار بار یہی الفاظ نکلتے ہیں۔

''سر میں ڈاکو نہیں میں لکھاری ہوں۔میری بات کا یقین کریں۔''

''ہر مجرم پکڑے جانے کے بعد یہی کہتا ہے میں بہت شریف ہوں۔''

''سر میری بیٹی کو کینسر ہے میں اپنا گردہ بیچنے کے لیے اسپتال گیا تھا۔سر...... سر......سر......!!میری بیٹی بہت بیمار ہے۔ مجھ پر رحم کریں مجھے گھر جانے دیں۔''اعجاز کی کوئی بھی بات نہیں سنتا۔

'' اے خدا! میں اپنی بیٹی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔'' اعجاز شکوہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''لکھاری سے تو بہتر تھا کہ میں ڈاکو ہوتا۔کم از کم میرے پاس دولت تو ہوتی۔''ایک ہفتہ گزرنے کے بعد اعجاز کو اطلاع ملتی ہے کہ اس کی بیٹی کو انتقال ہوگیا ہے۔ اعجاز کی آواز ہمیشہ کے لیے بند ہوجاتی ہے۔ یہ سن کر کہ اس کی بیٹی اب اس دنیا میں نہیں رہی۔

ذات

''میں شادی کروں گا تو صرف عالیہ سے ہی کروں گا۔ وگرنہ میں شادی ہی نہیں کروں گا۔''

''عدنان بند کر اپنی بکواس۔''

''یہ میری زندگی ہے۔میں جانتا ہوں میرے لیے کون بہتر ہے؟''

''واہ واہ ابھی زمین سے تو پورا نکلا نہیں اور ماں کو اپنا فیصلہ منہ پھاڑ کر بتا رہا ہے۔ عدنان میں تجھے کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں۔ وہ ہماری ذات کی نہیں۔''

''امی وہ مسلمان تو ہے نا۔''

''میں نے اکیلی نے تجھے پال کر اتنا بڑا کیا ہے۔ تیرے لیے راتوں کو میں جاگتی رہی ہوں۔ اگر میں تیری اس کلموخی سے شادی کروا دوں تو زمانے والے طرح طرح کی باتیں کریں گے۔ اور ہمارے رشتہ دار وہ تو یہی کہیں گے کہ اپنی ذات میں کوئی لڑکی نہیں ملی اس لیے غیر ذات میں بیٹے شادی کرادی ہے۔تیرے دادی دادا تو مجھے جوتیاں ماریں گے۔''

''امی پھر میرا چہرہ آخری بار دیکھ لیں اس کے بعد آپ کا بیٹا آپ کو اس گھر میں نظر نہیں آئے گا۔''

''عدنان تو اپنی ماں کو دھمکی دے کر جا رہا ہے۔''

'' امی آپ جیسا مرضی سمجھ لیں۔''عدنان کرسی کو پیچھے دھکیل کر چلا جاتا ہے۔

''نانی امی ماموں کو روکیے۔ وہ جا رہے ہیں۔''

'' جانے دو اس کو، جب اس کے سر سے عشق کا بھوت اتر جائے گا تو واپس خود ہی گھر لوٹ آئے گا۔خدا جانے اس لڑکی نے کیا گھول کر اس کو پلایا ہے؟ اس کے واسطے اپنی ماں ہی کو بھول گیا۔اپنی ذات اپنے خاندان کا نام مٹی میں ملانا چاہتا ہے۔''

''نانی اماں ذات ہماری ذات اب کوئی ان باتوں کو نہیں مانتا اور، نانی امی ہمارا اسلام تو ذات کو ترجیح نہیں دیتا اسلام میں تو سب مسلمان ہیں۔

''میری بات سن جدید بیٹی تو اپنی ماں کو پڑھایا کر۔مجھے نہیں۔ میں نے بھی اسلام کو پڑھا ہے۔ میں کوئی ان پڑھ نہیں۔میں جانتی ہوں میرے بیٹے کے حق میں کیا بہتر ہے؟''اندھیری شام ہر جانب خاموشی کا ڈیرا ہے عدنان عالیہ سے کہتا ہے۔

''ہم بھاگ کر شادی کر لیتے ہیں۔''

''عدنان میں بھاگ کر تمہارے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔ عدنان تمہاری امی جہاں چاہتی ہے تم شادی کر لو میں تمہیں تمہاری ماں سے دور نہیں کرنا چاہتی ۔''

''عالیہ میں شادی کروں گا تو صرف تمہارے ساتھ ورنہ میں اپنی جان

دے دوں گا۔''

''عدنان پلیز اس طرح کی باتیں نہ کرو۔ میں نے ہمیشہ تم سے محبت کی ہے اور مرتے دم تک کرتی رہوں گی۔''

''تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ ۔مجھے یقین ہے تمہاری امی مان جائے گی۔عدنان میں اب چلتی ہوں ابا میری راہ تک رہیں ہوں گے۔''

''عالیہ اپنا خیال رکھنا۔''

عدنان بضد ہے اپنی بات پر۔ میں گھر واپس نہیں جاؤں گا ۔

''صباء دیکھ تیرا ماموں آیا کہ نہیں رات سے صبح ہوگئی۔''

''نانی اماں ماموں نہیں آئے۔میں رات گیارہ بجے تک جاگتی رہی لیکن وہ نہیں آئے۔''لمبی سانس بھرتے ہوئے۔

'' اچھا مجھے امید ہے ایک دودن تک آجائے گا۔''دس دن بیس دن میں بیس دن تیس دن میں بدل گئے۔لیکن عدنان نہیں آیا۔ اپنے بیٹے عدنان کو یاد یادکر کے روتی ہوئی ماں! صدائیں دیتی ہوئی ، گن گن کر دن گزارتی ہوئی ۔

'' عدنان تو اپنی ماں کو تنہا چھوڑ کر کہاں چلا گیا؟''

''نانی اماں اب رونے کا کیا فائدہ اگر آپ اُس وقت اپنی انا اور خاندانی ذات کو اندر نہ لاتی ،تو عدنان ماموں ہمیں چھوڑ کر کبھی نہیں جاتے۔''

''صباء میں غلط تھی ہاں میں غلط تھی۔''

بھکاری

''ابو مجھے لوگ بھکاری کہتے ہیں تو مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے ۔ مجھے بھیک مانگنا اچھا نہیں لگتا۔''

''واہ واہ تو کسی چیف منسٹر کا بیٹا ہے۔ ہم بھکاری ہیں اور یہی ہمارا کام ہے۔''

''لیکن میں پڑھنا چاہتا ہوں ۔''

'' تو نے پڑھ کر بھی بھکاری ہی کہلانا ہے ، تو اس سے بہتر ہے کہ تو بھکاری ہی بن ۔ یہ بچوں کی طرح رونا دھونا بند کر۔ بھیک مانگنے کا وقت ہو گیا ہے۔'' اچھو اُکتائے ہوئے جواب دیتا ہے ۔

''میں بھیک مانگنے نہیں جاؤں گا۔''

''اگر تو نہ گیا تو تجھے آج کھانا بھی نہیں ملے گا تو بھوکا رہے گا۔'' اچھو یہ سن کر جھولا پہن کر مانگنے چلا جاتا ہے ۔ وہ صدا لگاتا ہے ۔

''اللہ کے نام پر دے دو اللہ خوش رکھے گا۔ میڈم جی دے دو۔ میں نے کچھ نہیں کھایا۔'' سامنے سے ایک رکشہ آتا ہے جو اچھو کو ٹکر مار کر چلا جاتا ہے۔ اچھو زخمی ہو کر زمین پر گرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں، اچھو کا بازو ٹوٹ جاتا

ہے۔اچھو پٹی لگے بازو کے ساتھ اپنے جھونپڑی نما گھر میں واپس آتا ہے۔
اچھو کا باپ طنزیہ لہجے میں کہتا ہے کہ۔

''اب تو اچھو تجھے زیادہ بھیک ملا کرے گی۔''اچھو اپنے باپ کا یہ رویہ دیکھ کر مایوس ہوجاتا ہے کہ کسی کو میری پرواہ نہیں۔ اچھو کھانا کھا رہا ہوتا ہے کہ اچھو کا باپ اس کو بتاتا ہے کہ۔

''تجھے سڑکوں کی صفائی کرنے والے مالک نے خرید لیا ہے۔ وہ تجھ کو کل آکر لے جائے گا۔''

''کیا؟ابا مجھے نہیں جانا اس کے ساتھ میں بھیک مانگ لوں گا مگر اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔''

''ہر وقت ضدمت کیا کر،اس نے تجھے خریدا ہے وہ بہت امیر ہے۔تو خوش رہے گا۔''اگلے دن مالک اچھو کو آکر لے جاتا ہے۔ وہ اچھو کو نصیحت کرتا ہے۔

''اگر تو بھاگا تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔'' اچھو مالک کے ساتھ ٹرک میں بیٹھ جاتا ہے۔ مالک رعب دار آواز میں اچھو کو بتاتا ہے کہ تم نے کس کس سڑک کی صفائی کرنی ہے؟

''اچھو تم میری بات سن رہے ہو نا،ہاں ہاں۔''ٹرک اچھو کو ایک سڑک پر اتارتا ہے۔

''اچھو تم نے اس پوری سڑک کو صاف کرنا ہے۔''

''لیکن مالک یہ سڑک تو بہت لمبی ہے۔''

''لمبی سڑک سے کیا کام ہے تمہارا کام سڑک کو صاف کرنے کا ہے، لمبی چھوٹی بتانے کا نہیں۔'' اچھو جھاڑو پکڑ کر سڑک صاف کرنے میں مگن ہو جاتا ہے۔ رات کے دس بج جاتے ہیں لیکن اچھو کا کام ختم نہیں ہوتا۔ اچھو کے پاس ٹرک آ کر رکتا ہے جس میں مالک بیٹھا ہوتا ہے۔ جو اچھو کو ہاتھ کے اشارے سے ٹرک میں بیٹھنے کے لیے کہتا ہے۔

''مالک ابھی سڑک صاف نہیں ہوئی۔''

''کوئی بات نہیں تم آ جاؤ۔'' اچھو جھاڑو لے کر ٹرک میں بیٹھ جاتا ہے۔''

اچھو آج تم میرے گھر جاؤ گے۔''

''کیوں مالک؟''

''اس لیے کہ تم میرے بچوں کی دیکھ بھال کرو گے۔'' اچھو یہ سن کر مزید پریشان ہو جاتا ہے۔ ٹرک گھر کے باہر رکتا ہے۔ انتظار میں لگی آنکھیں۔

''پاپا آپ آ گئے۔''

''ہاں میرے بچو!''

''پاپا یہ کون ہے؟ اس سے تو بہت بدبو آ رہی ہے۔ اس کے کپڑے بھی بہت گندے ہیں۔''

''بیٹا یہ آج سے تم لوگوں کی حفاظت کرے گا اور آپ کے سارے کام بھی کرے گا۔''

''اچھا تو یہ ہمارا نوکر ہے۔'' اونچی آواز میں ہنستے ہوئے۔''
نوکر ہی نہیں بلکہ بھکاری بھی۔''

مزدور

آج مزدوروں کا عالمی دن ہے۔ پوری دنیا میں لیبر ڈے منایا جا رہا ہے۔ لیکن ابو آج بھی مزدوری کرنے کے لیے گئے ہیں۔

''ابو کو چھٹی کیوں نہیں ہے؟'' عمر ایاز سے صرف پانچ ماہ بڑا ہے۔ عمر ایاز سے پوچھتا ہے۔

''ابو چھٹی والے دن بھی گھر پر نہیں ہوتے، وہ کہاں جاتے ہیں؟''

''ایاز ابو کوئی چھوٹے بچے نہیں وہ یقینا کام کے سلسلے میں گئے ہیں۔'' ایاز کبھی کمرے میں جاتا ہے کبھی باغیچے میں جا کر ٹہلنا شروع کر دیتا ہے، کبھی اُٹھتا ہے کبھی بیٹھ جاتا ہے۔ عمر کو ایاز کی یہ صورتِ حال دیکھ کر لگتا ہے ایاز پر کسی بھوت کا سایہ ہو گیا ہے۔ کار کے ہارن کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ایاز کو تھوڑی دیر کے لیے محسوس ہوتا ہے ابو ہو گئے۔ لیکن ایاز سوچتا ہے ابو کے پاس تو موٹر سائیکل ہے کار نہیں۔ عمر ہارن کی آواز سن کر باہر جاتا ہے۔''

ایاز ابو آ گئے ہیں۔'' ایاز دروازے کی طرف لپکتا ہے۔ ابو ایاز کو پریشان حال دیکھ کر دریافت کرتے ہیں

''ایاز کیا ہوا ہے؟ دیکھو میں نے نئی کار خریدی ہے۔'' عمر ابو کی یہ بات

سن کر خوشی سے ناچنا شروع کر دیتا ہے۔''

ابو میں بھی اب کار پر اسکول جایا کروں گا۔''

''ایاز بیٹا تم بھی کچھ بولو'' عمر ابو کو بازو سے کھینچتا ہوا اندر کمرے میں لے جاتا ہے۔ ایاز باہر کھڑا یہی سوچتا ہے۔ ابو تو مزدور ہیں مزدور تو بہت غریب ہوتے ہیں مگر ہم اتنے امیر کیسے ہیں؟ اتنی مہنگی کار کے لیے ابو کے پاس پیسے تھے۔ ایاز کو ابو کی زوردار آواز آتی ہے۔ ایاز بھاگتا ہوا جاتا ہے۔

''میں تمہیں کتنی دیر سے بلا رہا ہوں۔''

''ابو میں نے سنا نہیں۔''

''اچھا بیٹھو کھانا کھالو۔''

''ابو مجھے بھوک نہیں ہے۔'' عمر مزاحیہ انداز میں کہتا ہے۔

''ابو ایاز پر کوئی بھوت عاشق ہوگیا ہے۔'' عمر کو ڈانٹتے ہوئے۔

''ہر وقت مذاق نہ کیا کرو۔''

''سوری ابو۔''

''ابو میرا دل نہیں چاہ رہا۔ ایاز سٹڈی روم میں پڑھنے کے لیے چلا جاتا ہے۔ ایاز پڑھتے پڑھتے سٹڈی روم میں سو جاتا ہے۔ دوپہر کے تین بجے کے قریب کسی کے دیوار پھلانگ کر اندر آنے کی آواز محسوس ہوتی ہے۔ ایاز ڈر کر اٹھ جاتا ہے۔ وہ صحن میں جا کر دیکھتا ہے تو کالی وردی پہنے ہوئے چند لوگ عمر سے پوچھ گچھ کر رہے ہوتے ہیں۔ ایاز نزدیک جا کر دیکھتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے یہ تو ایف۔ آئی۔ اے والے ہیں۔ ایاز عمر سے پوچھتا ہے۔

''یہ کیا کرنے آئے تھے۔'' تو عمر بد تمیزی سے جواب دیتا ہے

''میرا سر کھانے آئے تھے۔'' ایاز ابو اور عمر کی باتیں سن لیتا ہے۔''

عمر وہ دوبارہ آئیں تو ان سے پھر کہنا ابو گھر نہیں ہے۔'' ابو مجھ سے کیا چھپا رہے ہیں۔ ایاز ٹی ۔ وی دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس کو کھڑکی سے وہی ایف ۔آئی ۔ اے والے نظر آتے ہیں ۔ایاز اس بار خود باہر آتا ہے۔

''بیٹا تمہارے ابو کدھر ہیں؟''

میں نے آپ کو کل بھی کہا تھا وہ گھر نہیں ہیں''۔ ایاز بے چینی کے عالم میں پوچھتا ہے۔''

سر آپ کیوں میرے ابو کے بارے میں سوال کر رہے ہیں؟''

''بیٹا تمہارے ابو اشتہاری ہیں۔''

''پر ابو تو مزدور ہیں۔ وہ مزدوری کرتے ہیں۔''

'' بیٹا جی آپ کے ابا گردے بیچنے کی مزدوری کرتے ہیں۔'' عمر جو حقیقت سے واقف ہوتا ہے۔ وہ جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہتا ہے۔''

میرے ابو صرف اور صرف مزدوری کرتے ہیں۔''

سڑک

اسلام آباد کی سڑکوں پر پیدل ننگے پاؤں چلتی ہوئی روز جو اپنی ماں کے بار بار کہنے کے باوجود بھی چپل نہیں پہنتی۔ وہ اپنی دُھن میں مگن باتیں کرنے میں مصروف ہے۔

''یہ سڑکیں تو میرے گھر سے بھی زیادہ صاف ہیں۔''

''روز دھیان سے چلو پیچھے گاڑیاں آرہی ہیں۔''

''امی میں جانتی ہوں۔'' کچھ دور جاتے ہی روز رک جاتی ہے۔''

روزتم کیوں رک گئی ہو؟''

''امی میرا دل کرتا ہے کہ میں ان سڑکوں پر کھیلوں۔'' ماں روز کی یہ بات سن کر گھبرا جاتی ہے۔

''روز آئندہ ایسی بات کبھی مت کرنا۔''

''کیوں امی ؟''

''یہ سڑکیں ٹریفک کے گزرنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ کھیل کود کے لیے نہیں۔''

''امی میں چل چل کر تھک گئی ہوں ۔ گھر کب آئے گا ؟''

''بس تھوڑی ہی دور ہے۔ گھر پہنچتے ہی روز اپنی ماں سے کھیر کھانے کی فرمائش کرتی ہے۔

''روز کل کھیر بنادوں گی۔ آج دودھ نہیں ہے۔''روز مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ چارپائی پر لیٹ جاتی ہے۔

''کیسی قسمت ہے میری ؟ میں اپنی بیٹی کی ایک چھوٹی سی فرمائش پوری نہیں کرسکتی۔''میں کل بیگم صاحبہ سے کچھ ادھار پیسے مانگوں گی ۔ صبح کی پہلی کرن کھڑکی سے اندر داخل ہوتی ہے۔

''روز میں کام پر جارہی ہوں تم ناشتہ کر کے آجانا۔''روز کو منہ دھوتے یاد آتا ہے کہ آج تو اس نے اپنی دوست نازیہ سے ملنے جانا تھا۔ روز کھانا کھائے بغیر نازیہ سے ملنے اس کے گھر چلی جاتی ہے۔نازیہ کی ماں روز کو یہ کہہ کر بھیج دیتی ہے۔''

یہاں تو کوئی نازیہ نہیں رہتی۔''روز یہ سن کر کے یہاں کوئی نازیہ نہیں رہتی اداس ہو جاتی ہے۔ نازیہ کی ماں غصے سے دروازہ بند کر دیتی ہے۔''

خدا جانے ! کہاں کہاں سے غریب اٹھ کر آجاتے ہیں؟روز بار بار خود سے یہ سوال کرتی ہے کہ نازیہ نے تو مجھے یہ گھر بتایا تھا۔

''روز تم کہاں رہ گئی ہو؟'' روز کی ماں پریشان دل کے ساتھ بار بار سڑک کی طرف دیکھتی ہے ۔

''زرینہ ! جی بیگم صاحبہ سڑک کی طرف کیوں دیکھ رہی ہے؟''

''کسی نے آنا ہے۔ روز نے آنا تھا ابھی تک نہیں آئی ۔''

''اس کی فکر چھوڑ دے وہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں، آجائے گی۔'' زرینہ ہمت کرتے ہوئے بات کرتی ہے۔

''بیگم صاحبہ مجھے کچھ پیسے چاہیے تھے۔''

''ہر وقت پیسے ابھی کچھ دن پہلے ہی تو میں نے تجھے پیسے دیے تھے۔''

''بیگم صاحبہ عید آرہی ہے۔''

''عید تو ہر سال آتی ہے۔''

''جی مگر روز نئے کپڑے مانگ رہی تھی۔''

'' اللہ اللہ ۔۔۔۔ اس طرح کی فرمائش تو امیروں کی بیٹیاں بھی نہیں کرتیں۔ بی بی جتنی چادر ہو اتنے ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں۔''

''بیگم صاحبہ آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہے۔''

'' میری بات سن ، تو آج ہی اپنا حساب کر اور چلتی بن یہاں سے۔''

دہائیاں دیتی زرینہ۔۔۔''

بیگم صاحبہ میں کہاں جاؤں گی ؟ میں اپنی بیٹی کو کہاں سے کما کر کھلاؤں گی۔'' زرینہ بیگم صاحبہ کے پاؤں پکڑ لیتی ہے۔لیکن وہ زرینہ کو دھکا دے کر آگے بڑھ جاتی ہے ۔غربت کی ماری زرینہ سڑک پر پیدل چل رہی ہوتی ہے کہ اس کو سڑک پر اپنی بیٹی روز مل جاتی ہے۔

جو بڑی بے خبری سے سڑک پر دوڑ رہی ہوتی ہے۔ زرینہ اپنی بیٹی کو یوں سڑک پر دوڑتے دیکھ کر ڈر جاتی ہے۔ اونچی اونچی آواز میں روتے ہوئے زرینہ کے منہ سے صرف یہی الفاظ نکلتے ہیں ''میری بیٹی یہاں مت کھیل یہ

سڑک ہے۔''

روز میری جان واپس آجا۔ اپنی ماں کی بات سن واپس آجا۔ تیری ماں تیری منتظر ہے ۔ واپس آجا۔''

مرضی

''دادی اماں آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں ۔ سیف مجھے پسند نہیں کرتا وہ حرا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' نور اپنی دادی کا ہاتھ پکڑ کر ہر بار یہی سمجھانے کی کوشش کرتی ہے۔دادی نور کا ہاتھ جھٹک کر کہتی ہے۔''

نور اگر آج تم نے میری مرضی کو اپنی مرضی نہ بنایا تو عمر بھر یہ بات اپنے پلو سے باندھ لینا کہ تیری دادی ہمیشہ کے لیے مر گئی ۔''نور اپنی دادی کی زبان سے اتنا تلخ جملہ سنتے ہی سیف سے شادی کرنے کے لیے ہاں کر دیتی ہے اور اپنی دادی کے کیے ہوئے فیصلے پر راضی ہو جاتی ہے۔نور کا دل ہر بار یہی گواہی دیتا ہے کہ شادی کے بعد سیف حرا کو بھول جائے گا۔نور کی دادی بھی ہر بار یہی دہراتی ہے کہ''

سیف اب بدل گیا ہے۔ وہ میرا نواسہ ہے مجھ سے بہتر اسے بھلا کون جانتا ہے؟''نور اور سیف کی شادی کا دن آ پہنچتا ہے۔ شادی بہت دھوم دھام سے کی جاتی ہے ۔ ہر طرف روشنی سماں بندھ جاتا ہے۔شادی کی پہلی رات نور خوبصورت جوڑا زیب تن کیے ہوئے بیٹھے ہوتی ہے۔ سیف کمرے میں داخل ہوتے ہی نور کو ایک نظر دیکھتا ہے۔ اور اس بات کا لحاظ کیے بغیر کے نور کے

دل پر کیا گزرے گی۔ کہہ ڈالتا ہے کہ''

میں تم سے محبت نہیں کرتا اور تم سے شادی میری مرضی نہیں محض ایک سمجھوتا ہے۔ میں نے ہمیشہ حرا سے شادی کا خواب دیکھا ہے تم صرف میری مجبوری ہو۔'' سیف کی بات سن کر نور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہے۔ نور یہ جانتی تھی کہ سیف حرا سے محبت کرتا ہے لیکن یہ بھول گئی تھی محبت کبھی نہیں مرتی شادی تو صرف دنیاداری ہے اور کچھ نہیں۔ آدھی رات بیت جاتی ہے لیکن نور خاموشی سے بیڈ کو ٹیک لگا کر بیٹھتی رہتی ہے۔ آخر کار چاند آسمان سے غائب ہو جاتا ہے اور سورج پوری آب وتاب کے ساتھ آسمان پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور نئے دن کی خوشخبری سناتا ہے۔

نور اپنے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑتے ہوئے بیڈ سے نیچے اترتی ہے۔ اور کپڑے تبدیل کرنے کے لیے واش روم میں جاتی ہے۔ نور کا دل خون کے آنسو روتا ہے جب وہ صبح صبح سیف کو فون پر حرا سے باتیں کرتا دیکھتی ہے ،مگر نور خود سے وعدہ کر لیتی ہے کہ وہ سیف کو حرا سے باتیں کرتا پا کر نظر انداز کر دیا کرے گی۔ نور اپنی دادی کی آوز سن کر باہر لاونج میں چلی جاتی ہے۔'' نور میری شہزادی آ گئی تو'' دادی کے منہ سے بس یہی الفاظ نکلتے ہیں۔ دادی کرسی سے اٹھ کر نماز پڑھنے چلی جاتی ہے۔ نور کی ساس نور سے کہتی ہے:

''نور کچھ کھا لینا تھا۔'' نور جواب دیتی ہے''

نہیں امی مجھے بھوک نہیں۔'' نور پہلے ہی دن مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ غم زدہ دکھائی دیتی ہے۔ سیف وقت ملتے ہی حرا کے ساتھ گفتگو

میں مصروف ہو جاتا نور سب گھر والوں کے ہوتے بھی خود کو اکیلا محسوس کرتی۔نو
رسیف سے بات کرنا چاہتی لیکن سیف ہر بار یہی کہتا

''میں فارغ نہیں۔'' وہ دادی جس کی چاہت میں نور نے سیف سے
شادی کی تھی وہ دادی اب نور کے بارے میں پوچھتی تک نہیں تھی۔نور تھک چکی
تھی وہ فیصلہ کر بیٹھی تھی وہ کیا فیصلہ تھا۔نور خود بھی اِس سے آگاہ نہیں تھی ؟ سیف
سے ہر بات کرنے پر نور کو طعنے ہی سننے کو ملتے۔

تم میری مرضی نہیں تھی،تم مجھ پر مسلط کی گئی ہو جس کی سزا تم تنہا رہ کر
ساری زندگی برداشت کرو گی۔نور تم زندہ رہو یا مر جاؤ مجھے اس سے کچھ فرق
نہیں پڑتا۔''سیف کمرے سے چلا جاتا ہے۔سیف کے جانے کے بعد نور ہر
شام کی طرح سوچوں میں گم ہو جاتی ہے۔اور پوری پوری رات خود سے باتیں
کرتی رہتی ہے۔''

میں کس کی مرضی ہوں؟ نور آہیں بھرتے ہوئے کہتی ہے۔۔۔۔آج کی
رات کتنی خوفناک ہے۔۔نور اپنے ہوش و حواس سے عاری ہو کر سائیڈ ٹیبل
سے چھری اٹھاتی ہے اور اپنے بازو کی نبض کاٹ ڈالتی ہے۔

ماں

''ماں بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ ماں جو اپنی ہوتی ہے اور ایک وہ ماں جو اپنی ہو کے بھی اپنی نہیں ہوتی۔''

''شمسہ تم کس طرح کی باتیں کرتی ہو تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہے۔''

''ممونہ میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔''

''شمسہ میری بات سنو ماں کا اس دنیا میں کوئی نعم البدل نہیں۔ ماں تھوڑی دیر غصے میں ضرور آتی ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنی ماں نہیں ہے۔ تم ہر بات کو مسلۂ کشمیر بنا کر نہ بیٹھ جایا کرو۔''

''تمہاری باتیں مجھے سن کر حیرت ہوتی ہے۔''

اچھا بس کرو فلسفے میں گھر جا رہی ہوں۔'' شمسہ گھر میں داخل ہوتی ہے کہ اس کو اس کا بھائی پکڑ لیتا ہے۔

''کہاں گئی تھی؟''

''بھائی میں شمسہ کے گھر گئی تھی۔''

''تو سارا دن آوارہ گردی کرتی ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی؟''

''بھائی میں باجی سے پوچھ کر گئی تھی'' سدرہ کی کچن سے آواز آتی ہے۔

''ہاں عثمان پوچھ کر گئی تھی۔''

''آج تو میں تجھے چھوڑ رہا ہوں، اگر آئندہ تو مجھے آوارہ گردی کرتی نظر آئی تو میں تیری ٹانگیں توڑ دوں گا۔''

''عثمان''

''ہاں امی۔''

''کبھی تو پرسکون ہو جایا کرو۔''

''امی میرا وقت ضائع نہ کریں اگر کچھ کام ہے تو بتائیں۔''

''جا جا کر دکان سے انڈے لے آ۔''

''امی خود جا کر لے آئیں۔'' شمسہ امی کو بلانے آتی ہے۔

''امی قہوہ بن گیا ہے۔''

تجھے تو شرم نہیں آتی صبح صبح بھائی کا مزاج تو نے خراب کر دیا۔''

''امی بھائی کا مزاج ٹھیک کب تھا؟''

''تیری بڑی زبان چلتی ہے اس زبان کو کاٹنے کی ضرورت ہے۔'' شکوہ کرتے ہوئے۔۔۔''

''امی میں تو ہوں ہی نہیں آپ کی بیٹی ہاں تو ویسے ہی اس گھر میں پیدا ہو گئی تھی۔''

''دفع ہو جا یہاں سے ورنہ چپل سے مار کھائے گی۔''

''ہر وقت لڑائی امی آپ ہی بس کر دیں۔''

''سدرہ تو اس کی گز بھر کی زبان تو دیکھ۔''

''امی یہ اس وجہ سے ہی تو مار کھاتی ہے۔''

''سدرہ دوپہر کا کھانا بن گیا؟''

''جی۔'' کمرے سے شور کی آواز سنائی دیتی ہے۔''

''بھائی میں نے موبائل کو ہاتھ نہیں لگایا۔ مجھے نہ مارو۔'''امی عثمان کو پیچھے ہٹاتی ہے۔

''عثمان دنیا والے کیا کہیں گے؟ جوان بھائی بہن کو مار رہا ہے۔''

''امی آپ پیچھے ہٹ جائیں۔''

''سدرہ اری جا اس کم بخت کو لے جا یہاں سے۔''

''امی اس نے آج میرے ہاتھ سے ضائع ہوجانا تھا۔''

''بند کر اپنی بکواس جا جا کر پانی پی۔''

''گھر کو سرکس بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ہر دن لڑائی کبھی کسی بات پر کبھی کسی بات پر''۔شمسہ جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ آتی ہے۔

''امی کل میرا پیپر ہے۔میں کس کے ساتھ جاؤں گی؟''

''کیوں رکشے والا نہیں آرہا؟''۔''نہیں۔''

''ممونہ کی امی کے ساتھ چلی جانا۔''

''امی آپ کتنی اچھی ہیں۔'' میمونہ کی نظر شمسہ پر پڑتی ہے۔ جو چھت سے کپڑے اُتار رہی ہوتی ہے۔

''شمسہ تو کدھر تھی اتنے دن؟''

''ممونہ کل مجھے بھائی نے جھاڑو سے مارا۔''

''بہت ظالم ہے تیرا بھائی۔''

''خدا جانے کس مٹی کا بنا ہے، اسے ذرا بھی ترس نہیں آتا۔''

''ایک خوش خبری ہے۔''

''ممونہ کیسی خوش خبری؟''

''امی نے مجھے تمہاری امی کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔''

''امتحان کے دنوں میں''

'' بالکل! ہاں''میں نے کہا تھا کہ آنٹی بہت اچھی ہے لیکن تم ہی نہیں مان رہی تھی۔شمسہ کپڑے اتار کر چھت سے نیچے جاتی ہے۔

''شمسہ آٹا گوندھ دو''۔

''باجی میرا کل پیپر ہے میں پڑھ کر گوندھ دوں گی۔'' شمسہ پڑھنے کے لیے کمرے میں چلی جاتی ہے۔صبح کے چار بجے اٹھ کر شمسہ نماز پڑھتی ہے۔اور اپنی امی کے پاس دعا لینے جاتی ہے۔

''امی میرے لیے دعا کیجئے گا میرے پیپرز بہت اچھے ہوں۔''

''میری بیٹی خدا تمہیں کامیابی عطا کرے آمین!''شمسہ کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے میں کتنی غلط تھی۔میری ماں تو بہت اچھی ہے۔شمسہ کو ممونہ کی بات یاد آجاتی ہے کہ ممونہ بالکل ٹھیک کہتی تھی۔ماں کا نعم البدل پوری دنیا میں کہیں نہیں مل سکتا۔اور بے شک، میری ماں دنیا کی بہترین ماں ہے۔

فٹ پاتھ

''آج بھی ساری رات فٹ پاتھ پر گزرے گی۔ میرے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں اور نہ ہی پہننے کے لیے کپڑے، میں کتنا غریب ہوں۔ لوگ بڑی بڑی گاڑیوں میں آتے ہیں۔ مجھ سے سوال کرتے ہیں میرے ماں باپ کے بارے میں پوچھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ کاش میں بھی امیر ہوتا، میرے پاس بھی بڑی گاڑی ہوتی، تو شاید مجھے بھی سارا سارا دن فٹ پاتھ پر دھوپ میں نہ گزارنا پڑتا۔''

راجو جو خود سے شکوہ کرنے میں مصروف ہے۔ وہ اسی کش مکش میں مبتلا ہوتا ہے کہ اچانک ایک بڑی سی گاڑی اس کے پاس آکر رکتی ہے۔ پینٹ کورٹ میں ملبوس ایک شخص گاڑی سے باہر آتا ہے۔ جس کے پروٹوکول کے لیے ہر طرف گاڑیاں ہی گاڑیاں کھڑی ہیں۔

راجو یہ دیکھ کر گھبرا جاتا ہے کہ اسے کوئی گرفتا کرنے کے لیے آیا ہے۔ مگر جب وہ آدمی راجو سے یہ پوچھتا ہے کہ تم میرے گھر کام کرو گے تو راجو بغیر کچھ سوچے ہاں کر دیتا ہے۔

''تو پھر چلو میرے ساتھ،۔''

وہ راجو کو گاڑی میں بٹھا کر گھر لے جاتا ہے۔راجو حسرت بھری نگاہوں سے ہر چیز کو دیکھتا ہے جیسے وہ پہلی دفعہ کسی چیز کو دیکھ رہا ہوں۔ راجو کو گاڑی میں بیٹھ کر ایک نئی دنیا دکھائی دیتی ہے۔ایسی دنیا میں جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہو۔گاری ایک فیکٹری کے باہر رکتی ہے۔

راجو حیرت زدہ ہو کر سوال کرتا ہے۔

''کیا یہ آپ کا گھر ہے؟''سوال کا جواب نہیں ملتا جس کے بعد راجو کہتا ہے۔

یہ تو صاحب فیکٹری ہے۔''

''ہاں یہ فیکٹری ہے۔ اپنی زبان بند کر کے بیٹھو۔مجھے زیادہ سوالات کرنیو الے لوگ پسند نہیں۔''جس کے بعد راجو خاموش ہو جاتا ہے۔کچھ دیر کے بعد ، چند آدمی گاڑی کی طرف بڑھتے ہیں جو راجو کو گھسیٹتے ہوئے فیکٹری کے اندر لے جاتے ہیں۔

فیکٹری راجو کو ایک اندھیر نگری دکھائی دیتی ہے، لیکن اچانک راجو کو ایک نقاب سے چہرہ ڈھانپے شخص نظر آتا ہے۔جو راجو سے کہتا ہے''

تم امیر ہونا چاہتے ہو تم اچھے کپڑے پہننا چاہتے ہو''

''یقینا۔''راجو اُس کی یہ باتیں سن کر ہاں میں سر ہلا دیتا ہے۔''

''تو پھر آج سے تم دھندہ کرو گے۔'' راجو کو اس کی بات کی سمجھ نہیں آتی راجو پوچھتا ہے۔

''کیسا دھندا؟''

''معصوم بچے دھندہ مطلب بھتہ خوری۔تم دکانوں پر جا کر بھتہ مانگا کرو گے۔''

''راجو یہ بات سن کر رونا شروع کر دیتا ہے، نہیں نہیں میں بھتہ نہیں مانگ سکتا۔''

''لڑکے یہ ڈرامے بند کر اگر تو نے اب یہ کہا تو تُو اپنی جان سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔راجو آج سے تیری نئی زندگی کا آغاز ہو گا۔راجو آج میں تمہیں بھتہ مانگنے کا طریقہ بتاؤں گا اور بندوق کیسے چلاتے ہیں وہ بھی بتاؤں گا؟اور اگر کوئی بھتہ نہیں دیتا تو تم نے بغیر کسی خوف کے اس پر گولی چلا دینی ہے۔''

''نہیں صاحب میں گولی نہیں چلا سکتا۔''ریل گاڑی کے گزرنے کی زوردار آواز سنائی دیتی ہے، راجو چونک کر اٹھ جاتا ہے۔

''کون ہو، کون ہو؟ مجھے چھوڑ دو۔میں نے کسی سے بھتہ نہیں مانگا اور کسی کو قتل نہیں کیا۔اُونچی اُونچی آواز میں راجو ہر بار یہی بات دہراتا ہے۔''

''یہ فٹ پاتھ ہی میرا گھر ہے۔ مجھے بڑی گاڑی نہیں چاہیے، مجھے امیر نہیں بننا۔۔۔۔''

خوبصورت

حسنہ آئینے کے سامنے آدھے گھنٹے سے کھڑی ہے۔ کبھی اپنے بالوں کو کبھی اپنے چہرے کو دیکھتی ہے۔ حسنہ خود سے وعدہ کرتی ہے کہ اب وہ گھر کا کوئی کام نہیں کرے گی۔

"حسنہ بس کرو آئینہ دیکھنا تم آدھ گھنٹے سے آئینے کے سامنے کھڑی ہو۔"

"زوبیہ تمیز کے دائرے میں رہ کر مجھ سے بات کرو۔" زوبیہ اونچی آواز میں بولتی ہے۔

"مجھ میں تمیز ہے۔ تمیز تو تم ہو، ہر وقت اپنی خوبصورتی کا ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہے۔"

"زوبیہ میں خوبصورت ہوں یہ میں جانتی ہوں ۔ محلے کے سب لڑکے مجھ پر مرتے ہیں۔" حسنہ کے چہرے پر غرور صاف دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔

زوبیہ حسنہ کی یہ بات سن کر بولتی ہے "اگر تم اتنی ہی خوبصورت ہو تو تمہاری ابھی تک شادی کیوں نہیں ہوئی؟" حسنہ کا دل چاہتا ہے کہ وہ زوبیہ کا خون پی جائے۔"

زوبیہ اگر تم میری خالہ کی بیٹی نہ ہوتی تو میں تمہارا وہ حال کرتی تم زندگی

بھر یاد رکھتی۔'' زوبیہ کا حسنہ کا حد سے زیادہ پاگل پن دیکھ کر کہتی ہے۔

''تم سے یہی توقع کی جاسکتی ہے۔'' سبزی کاٹتا دیکھ کر حسنہ کچن میں آتی ہے اور باتوں باتوں میں خالہ سے شادی کے حوالے سے بات کرتی ہے۔

''خالہ زوبیہ کی کافی عمر ہوگئی ہے اس کی اب شادی کر دینی چاہیے۔''

''حسنہ میں تیری بات سے اتفاق کرتی ہوں مگر رشتہ دیکھنے والے ہزار نقص نکالتے ہیں۔''

''لیکن خالہ ہماری زوبیہ خوبصورت ہے۔''

''آپ فکر مند کیوں ہو رہی ہیں؟'' زوبیہ نماز پڑھ کر صحن میں آتی ہے وہ حسنہ کو اپنے بارے میں باتیں کرتا دیکھ کر چڑ کر بولتی ہے۔''

امی حسنہ کی شادی کروادیں مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں۔'' زوبیہ کا یہ ردِ عمل دیکھ کر حسنہ جھوٹے آنسو بہانا شروع کر دیتی ہے۔ حسنہ کو روتا دیکھ کر امی زوبیہ کو ڈانٹی ہے۔

''زوبیہ حسنہ تیری کزن نہیں بلکہ بہن ہے آئندہ کبھی اس لہجے میں حسنہ سے بات مت کرنا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' حسنہ رو رہی ہوتی ہے کہ اس کی نظر اپنے ماموں کے بیٹے فہد پر پڑتی ہے۔ جو ٹکٹکی باندھے حسنہ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حسنہ فہد کو اپنی طرف دیکھتا پا کر غصے سے کمرے میں چلی جاتی ہے۔

زوبیہ حسنہ کو بلانے کے لیے آتی ہے کہ حسنہ سونے کا بہانہ کرتی ہے ۔زوبیہ یہ جانتی ہے کہ حسنہ سونے کا بہانہ کر رہی ہے۔لیکن زوبیہ حسنہ کو اٹھنے کا کہیں بغیر چلی جاتی ہے۔حسنہ کھانا کھا رہی ہوتی ہے کہ زوبیہ حسنہ سے کہتی

ہے۔

''فہد بہت اچھا لڑکا ہے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے''۔ زوبیہ کی یہ بات سن کر حسنہ کا مزاج فوراً بدل جاتا ہے۔حسنہ اخلاقیات کی تمام قدروں کو بھول کر زوبیہ سے کہتی ہے۔

''اگر تمہیں فہد سے اتنی ہمدردی ہے تو تم اس سے شادی کر لو۔وہ ویسے بھی تمہارے سٹینڈرڈ کا ہے۔'' حسنہ کا انداز دیکھ کر زوبیہ کو یوں لگتا ہے کہ جیسے زمین پھٹ جائے گی اور وہ اس میں دفن ہو جائے گی۔ حسنہ پھر بولتی ہے۔

''کام کاج تو کرتا نہیں اور مجھ سے شادی کرے گا۔''

حسنہ کی یہ انا دیکھ کر زوبیہ کہتی ہے۔

''اپنی خوبصورتی پر اتنا غرور مت کرو ایسا نہ ہو کہ کسی دن تمہاری خوبصورتی ماند پڑ جائے۔'' زوبیہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتی ہے۔''

خوبصورتی ہی سب کچھ نہیں ہوتی انسان کا کردار اور سیرت بھی اچھی ہونی چاہیے۔''

''زوبیہ میں جانتی ہوں تم مجھے بددعائیں دے رہی ہو۔تم سے میری خوشی برداشت نہیں ہوتی۔''

زوبیہ حسنہ کو کچھ کہے بغیر چلی جاتی ہے۔ حسنہ سوچتی ہے کہ کتنے دن گزر گئے موحد سے میری بات نہیں ہوئی۔ حسنہ سرہانے کے نیچے سے اپنا موبائل فون لیتی ہے، موحد کو فون کرتی ہے مگر وہ فون نہیں اٹھاتا۔ حسنہ مزید افسردہ ہو جاتی ہے۔ کمرے کی چیزیں بکھری پڑی ہیں حسنہ زارو قطار رو رہی ہے۔

حسنہ کو روتا دیکھ کر زوبیہ حسنہ سے رونے کی وجہ پوچھتی ہے۔ حسنہ چھڑی سے زوبیہ پر وار کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر زوبیہ پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ حسنہ چیخ کر کہتی ہے زوبیہ صرف تیری بددعاؤں کی وجہ سے موحد نے مجھے چھوڑ کر شادی کر لی ہے وہ کہتا ہے کہ میں اب خوبصورت نہیں رہی۔ حسنہ کی یہ دیوانگی کا عالم دیکھ کر زوبیہ کمرے سے چلی جاتی ہے۔

حسنہ خود سے ہر بار یہی کہتی ہے

''میں جانتی ہوں میں بہت خوبصورت ہوں، موحد غلط کہہ رہا تھا کہ میں اب خوبصورت نہیں رہی۔ میرا نام حسنہ ہے میں حسن کی ملکہ ہوں، میں ابھی بھی بہت خوبصورت ہوں۔''

مدد

مقدس کی نظر اچانک رابیعہ پر پڑتی ہے، جو اپنی کلاس فیلو سے اسائمنٹ کے متعلق بات کر رہی ہوتی ہے۔مقدس کو رابیعہ پریشان دکھائی دی ہے۔ مقدس رابیعہ کر پریشان دیکھ کر اس کے پاس جاتی ہے۔ مقدس کو اپنی جانب آتا دیکھ کر رابیعہ بات بدل دیتی ہے۔ رابیعہ مقدس کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر سلام لیتی ہے۔ مقدس رابیعہ کے سلام کا جواب دے کر پوچھتی ہے۔''

رابیعہ مجھے لگتا ہے تم کسی بات پر پریشان ہو۔'' رابیعہ بات چھپاتے ہوئے کہتی ہے۔

''نہیں تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

مقدس رابیعہ کا یہ رویہ دیکھ کر شکوہ کرتے ہوئے بولتی ہے''

رابیعہ ہمارے مضامین ایک نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی تم میری دوست ہو، اور مجھے یوں لگتا ہے تم اردو پڑھ کر اپنے پرانے دوستوں کو بھول گئی ہو۔'' رابیعہ وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے''

نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' مقدس اپنی کلاس کی طرف بڑھتی ہے کہ رابیعہ اس کو روک لیتی ہے۔

''مقدس تم ناراض کیوں ہو رہی ہو؟ میں تمہیں بتانے لگی تھی کہ تم غصے میں آ گئی۔ رابیعہ اپنے سلوک پر مقدس سے معافی مانگتی ہے۔''لیکن مقدس یہ کہہ کر ٹال دیتی ہے۔

''اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''رابیعہ مقدس کو بات بتانا شروع ہی کرتی ہے کہ مقدس کی دوست اس کو آواز دیتی ہے کہ

''میڈم کلاس میں آ گئی ہے۔''مقدس میم کا سن کر جلدی میں چلی جاتی ہے۔رابیعہ کو اکیلا پا کر نمرہ دھکا دیتی ہے۔ رابیعہ زمین پر گر جاتی ہے۔نمرہ ہنستے ہوئے بازو آگے کرتی ہے۔جس پر رابیعہ کہتی ہے۔

''ہر وقت مذاق۔''رابیعہ سیڑھیوں سے اُتر رہی ہوتی ہے کہ مقدس رابیعہ کو پکارتی ہے۔ رابیعہ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے تو اس کو مقدس نظر آتی ہے۔رابیعہ میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھی۔ کلاس میں میڈم آ گئی ورنہ میں تمہاری بات سن کر جاتی۔ مقدس رابیعہ سے کہتی ہے۔

''تم اپنی اسائنمنٹ کے بارے میں کچھ بتا رہی تھی۔''

''ہاں وہ میں کہہ رہی تھی کہ جو اسائمنٹ کا موضوع مجھے ملا ہے۔ مقدس وہ مجھے کسی لائبریری سے نہیں مل رہا حتی کہ نیٹ سے بھی نہیں۔''

''رابیعہ موضوع کیا ہے؟''

''موضوع پشتو زبان کا تعارف ہے۔''مقدس سوچ میں گم ہو جاتی ہے۔ رابیعہ مقدس کو جھٹکتی ہے۔

''کیا ہوا ہے؟''

''رابیعہ مجھے یاد آیا ہمارے ایک سر پشاور سے آئے ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ تمہاری ضرور مدد کریں گے۔'' رابیعہ مقدس کو کہتی ہے۔

'' میرے ڈیپارٹمنٹ کی کسی میم نے میری مدد نہیں کی یہاں تک کہ میرے شعبہ اردو کے جو صدر ہیں ان کے پاس میرے موضوع کے متعلقہ کتابیں تھیں۔ مگر انہوں نے اُن کتابوں کی تصویر تک لینے نہیں دی۔''

''مقدس جن سر کا تم بتا رہی ہو تو وہ پھر اور ہیں میں اُن کو جانتی تک نہیں۔'' مقدس رابیعہ کا بازو پکڑ کر اسے سامنے دیکھنے کو کہتی ہے۔ رابیعہ بازو چھڑاتی ہے جس پر مقدس بولتی ہے۔

''یہی وہ سر ہے جو ابھی گزرے ہیں۔'' رابیعہ مقدس کی یہ بات سن کر حیران رہ جاتی ہے، مقدس رابیعہ سے پوچھتی ہے۔

''تم ان کو دیکھ کر اتنی حیرت زدگی کا شکار کیوں ہوگئی۔''

''مقدس اس سر کو تو میں نے بہت تنگ کیا ہوا ہے۔''

''وہ کیسے رابیعہ؟''

''مقدس میں ان کو تنگ کرنے کے لیے دور سے سلام لیا کرتی تھی حالانکہ میں جانتی تھی کہ دور سے سلام نہیں لیتے۔اور یہ تو بہت غصے سے میری طرف دیکھا کرتے تھے۔'' مقدس یہ حقیقت جان کر بولتی ہے۔''سر بہت اچھے ہیں۔ وہ بھول بھی گئے ہوں گے''۔ گھبراتے ہوئے ۔۔۔۔'' میں ان سے مدد کبھی نہیں لوں گی۔''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو رابیعہ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا۔تم نے

کس کو اب تک تنگ نہیں کیا؟''

''تم کسی سے پہلی بار ملتی ہو اور اس کا انٹرویو لے لیتی ہو۔''

''مقدس تم مجھ پر طنز کر رہی ہو۔ کیا میں ٹھیک نہیں فرما رہی ۔''

''مقدس لیکن اب نہیں ۔'' نمرہ سکارف اوڑھتے ہوئے ۔۔۔۔ رابیعہ کو کہتی ہے گھر جانا بھی ہے کہ نہیں چھٹی کا وقت ہوگیا ہے ۔ مقدس گھڑی کو دیکھ کر رابیعہ کو صرف خدا حافظ ہی کہتی ہے ۔ ہفتے بعد رابیعہ کی ملاقات مقدس سے ہوتی ہے ۔ رابیعہ سوال کرتی ہے۔۔۔۔

''مقدس تم کہاں تھی؟''

''رابیعہ میرے ماموں کی شادی تھی میں کراچی گئی ہوئی تھی۔'' مقدس رابیعہ سے دریافت کرتی ہے۔۔۔۔

''تمہاری پریشانی مطلب کے تمہاری اسائمنٹ کا کیا بنا؟''

''ہاں! مقدس تم نے جن سر کا بتایا تھا وہ تو بہت نفیس انسان ہے۔انہوں نے میری بہت مدد کی۔'' مقدس ہنس کر کہتی ہے ۔

''رابیعہ کیا بات ہے؟''

''مقدس تم نے بھی میری بہت مدد کی، میں تمہاری بھی مشکور ہوں ۔ مقدس ، مجھے آج احساس ہوا کہ استاد صرف وہی نہیں ہوتا جو آپ کو پڑھاتا ہے بلکہ وہ بھی استاد ہوتا ہے جو آپ کو جانے بغیر آپ کی مدد کرتا ہے ۔ آپ کے لیے اچھے جذبات رکھتا ہے ۔ اُن کو میں نے اتنا تنگ کیا تھا مگر انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔''

رابیعہ کی یہ بات سن کر مقدس کہتی ہے''

''تمہاری یہی باتیں ہر ایک کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔''رابیعہ مسکرا کر جواب دیتی ہے،

''میں ہوں ہی اتنی معصوم کے ہر کوئی میری مدد کرتا ہے۔''

منحوس

''سورج نکل آیا ہے لیکن اس مہارانی کی نیند پوری نہیں ہوئی ۔ اری ثمینہ زندہ ہو کے مرگئی ہو۔'' ثمینہ اماں کی آواز سن کر برآمدے میں آتی ہے ۔

''اماں جی آپ کو کچھ چاہیے ۔'' تحکمانہ لہجے میں ۔۔۔

''نیند پوری ہو گئی تیری؟''

'' اماں رات کو اذان کو بخار تھا میں رات کو دیر تک جاگتی رہی ہوں ، اس لیے دیر سے آنکھ کھلی ۔'' منہ بناتے ہوئے ۔

'' تو میں کیا کروں؟''

''منحوس ماری جب سے تو اس گھر میں آئی ہے میرے بیٹے نے ایک دن سکون کا نہیں گزارا، اور اذان وہ تیرا بیٹا ہے اس سے میرے بیٹے کا کوئی تعلق نہیں۔ ہائے! میرے سلیم کی تو قسمت پھوٹ گئی جس دن تجھ کرم جلی سے اس نے شادی کی۔ سلیم آتا ہے تو میں اس سے کہتی ہوں ایک اور شادی کرتا کہ اس منحوس سے تو تیری جان چھوٹے۔''

اپنی ساس کے طعنے سن کر ثمینہ کے منہ پر ہمیشہ کی طرح آج بھی تالا بند ہو جاتا ہے۔ ثمینہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ کچن کی طرف رخ کرتی

ہے کہ اس کے کانوں میں ایک زوردار آواز پڑتی ہے۔ثمینہ کھڑکی سے دیکھتی ہے کہ اس کو نیلی آنکھوں والی سنہرے بالوں والی حسین سی لڑکی سلیم کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہے۔

پہلے پہل ثمینہ کو لگتا ہے یہ سلیم کے آفس کی کوئی دوست ہوگئی ،لیکن جلد ہی ثمینہ کا گمان ٹوٹ جاتا ہے ۔ ثمینہ دودھ گرم کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی ہے کہ اس کی ساس روک لیتی ہے ،

''اری ثمینہ اب وہ تیرا کمرہ نہیں ہے، ثمینہ اپنی ساس کی یہ بات سن کر رک جاتی ہے ۔''اور پوچھتی ہے ۔

''کیوں اماں ؟''

''سلیم نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اب تو اپنا اور اپنے بیٹے کا بستر گول کر اور چلتی بن یہاں سے ۔'' ثمینہ فریاد کرتی ہے۔

''اماں جی میرا کوئی ٹھکانہ نہیں میں کہاں جاؤں گی؟'' بے حسی کا مظاہرہ کرتی ساس۔۔۔۔ثمینہ اور اس کے بیٹے کو بازو سے پکڑ کر دروازے سے باہر کر دیتی ہے ۔ثمینہ دروازہ کھٹکھٹاتی رہتی ہے مگر کوئی دروازہ نہیں کھولتا۔

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے ، شانزے باغیچے میں سلیم کے ساتھ بیٹھی جوس پی رہی ہوتی ہے کہ اچانک سلیم کی ماں آتی ہے جو شانزے کو دوپہر کو کھانا بنانے کا بولتی ہے۔شانزے اپنی ساس کی یہ بات سن کر کہتی ہے۔

''میں کوئی نوکرانی نہیں کے ہر وقت گھر کے کام کروں اور کھانا بھی بناؤں

، اور اگر آپ اتنی ہی بھوکی ہے تو خود جا کر کھانا بنالیں ۔'' شانزے جوس کا گلاس پھینک کر چلی جاتی ہے ۔ ماں سلیم کی توجہ اپنی طرف کراتے ہوئے کہتی ہے ۔

'' دیکھا تو نے اس کا رویہ؟'' سلیم منہ موڑ کر کہتا ہے ۔

'' اماں جی سارے فساد کی جڑ آپ ہیں اگر آپ خود کھانا بنالیتی تو شانزے کا موڈ آف نہیں ہوتا۔ سارا دن آپ گھر میں فارغ رہتی ہیں ۔ اور اماں جی بہتر ہے کہ آپ اپنے بھائی کے گھر چلی جائیں۔'' سلیم کی یہ باتیں سن کر یقین نہ آنے والی نظروں سے ماں دیکھتی ہے۔ درد بھرے انداز سے ۔۔۔۔

'' سلیم تو ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے؟ میں تو تیری ماں ہوں ۔''

'' نہیں ماں جی آپ میری ماں نہیں بلکہ ایک منحوس سایہ ہیں ۔ جو گھروں کو تباہ کرتا ہے۔''

سلیم جاتے جاتے رُک جاتا ہے اور کہتا ہے:

'' اماں جی ۔۔۔۔۔ثمینہ منحوس نہیں تھی بلکہ اپ منحوس ہیں ۔''

کاروبار

فیکٹری میں موجود نعیم شراب کی بوتلوں کو ترتیب سے رکھ رہا ہوتا ہے کہ نعیم کو شیراز کی شکوہ سے لبریز آواز سنائی دیتی ہے۔

''نعیم یار آج تو بہت کم کمائی ہوئی ہے۔لگتا ہے کاروبار کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔'' شیراز کا شکوہ سن کر نعیم بولتا ہے۔

''شیرازی بھائی اب تو یہ ہر دن کا معمول بن گیا ہے۔شیرازی بھائی میں نے تمام روپے الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا ہے جتنی بھی آج کی کمائی ہوئی ہے۔''نعیم چابی میز پر رکھ کر چلا جاتا ہے۔نعیم کے جانے کے بعد شیراز کرسی سے اُٹھتا ہے اور الماری کھول کر روزانہ کی طرح پیسے گننا شروع کردیتا ہے۔

سنسان سڑک ، کچے راستے ، ہر طرف خاموشی کا منظر۔۔۔۔نعیم پیدل اپنے گھر کی جانب چلتا جاتا ہے۔گھر کے دروازے پر پہنچ کر،

نعیم اپنے گھر نما ، کچے مکان کی کنڈی کو بار بار زور سے پیٹتا ہے کہ آواز ا ٓتی ہے:

''کون ہے؟'' یہ آواز نعیم کی بیوی کی ہوتی ہے۔

''میں نعیم ہوں دروازہ کھولو۔''فرزانہ دروازہ کھولتی ہے کہ نعیم ہمیشہ کی

طرح اندر داخل ہوتے ہی صحن میں بچھی ہوئی چارپائی پر سو جاتا ہے۔

فرزانہ کو ہر بار یہ آس رہتی ہے کہ نعیم آج اس کے ساتھ کھانا کھائے گا لیکن وہ دن کبھی نہیں آیا کہ نعیم نے کبھی گھر میں داخل ہو کر سلام لی ہو یا فرزانہ کا حال ہی پوچھا ہو۔ نعیم پوری دنیا سے بے خبر ہو کر سویا ہوتا ہے کہ

فون کی گھنٹی بجتی ہے، نعیم چونک کر اٹھتا ہے اور سرہانے کے نیچے سے اپنا موبائل فون اٹھاتا ہی ہے کہ کال بند ہو جاتی ہے۔ فرزانہ نعیم کے ماتھے سے پسینہ بہتا دیکھ کر کہتی ہے۔ ''نعیم شراب کا کاروبار چھوڑ دو یہ کاروبار تمہارے لیے ناسور بن چکا ہے۔ ایک فون کی گھنٹی نے تمہاری نیند غائب کر دی۔ شراب سے کی ہوئی تمہاری کمائی حرام ہے۔ ہمارا اسلام بھی شراب کو لعنت قرار دیتا ہے۔''

فرزانہ کے لاکھ سمجھانے کے بعد بھی نعیم پر کچھ اثر نہیں ہوتا وہ چارپائی کے کونے سے چادر اٹھتا ہے اور اپنے چہرے کو چادر سے ڈھانپ کر سو جاتا ہے۔

سورج ابھی آسمان پر جلوہ گر بھی نہیں ہوتا کہ نعیم فرزانہ کو کہیں بغیر کے میں کام پر جا رہا ہوں۔ دروازنے کی کنڈی کھولتا ہے اور پیدل اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

فرزانہ کو کنڈی کے کھلنے کی آواز سنائی دیتی ہے لیکن وہ دروازے کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ نعیم تھا۔ نعیم کو سڑک کے کونے پر ایک فقیر دکھائی دیتا ہے جو نعیم کے آگے اپنی جھولی کرتا ہے مگر نعیم اس فقیر کو

نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ چند قدم دور نعیم کو اپنی فیکٹری دکھائی دیتی ہے جہاں وہ شراب کا کاروبار کرتا ہے۔

نعیم اپنی جیب میں سے چابی نکالتا ہے تاکہ فیکٹری کے اندر داخل ہو سکے۔ نعیم تالا کھل جانے پر دروازے کا شٹر اٹھاتا ہے اور فیکٹری کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ شراب کی بوتلوں کو چیک کرتا ہے اور شراب بنانے والے کارخانے میں جا کر مشینوں کو آن کرتا ہے تاکہ کام کر سکے۔

نعیم فیکٹری میں اکیلا ہوتا ہے کہ نعیم کو یاد آتا ہے کہ ابھی تک شیراز نہیں آیا اور سارے ورکر بھی نہیں آئے وہ اپنی گھڑی سے ٹائم دیکھتا ہے کہ اس کو عجیب قسم کی بو محسوس ہوتی ہے۔ وہ باہر جانے ہی لگتا ہے کہ ہر طرف آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے پوری فیکٹری کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ نعیم کو فیکٹری میں لگی ہوئی آگ کے وقت بھی صرف اپنے کاروبار کی فکر ہوتی ہے۔

اس کو خیال آتا ہے کہ وہ رقم جو میں نے شراب کے کاروبار سے کمائی ہوئی ہے وہ کسی طریقے سے نکال لوں مگر نعیم یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ الماری کے دراز میں کوئی رقم نہیں ہوتی۔ آگ آہستہ آہستہ پاؤں کے قریب تک پہنچ جاتی ہے، لیکن پھر بھی نعیم ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اپنے کاروبار کو آگ سے بچا لے مگر آگ کے سلگتے شعلوں کی زد میں آ کر وہ اپنے کاروبار کو بچاتے ہوئے، اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

اُمید

''میری زندگی کی تو ایک ہی اُمید ہے میرے بھائی کا بیٹا علی ، مجھے یقین ہے وہ اس بار میٹرک کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرے گا۔ میرے بھائی کے مرنے کے بعد وہی میرا آخری سہارا ہے۔''

اپنے دل کا حال اپنے عزیز دوست راشد کو بتاتا ہوا رفیق۔ رفیق کے دل کی خواہش کو جان کر راشد طنز کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''یار رفیق تو روزانہ اس خواہش کا اظہار کرتا ہے لیکن علی نے بامشکل آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کیا تھا کیا وہ اب فرسٹ ڈویژن حاصل کر سکے گا؟ راشد کی بات سن کر رفیق بولتا ہے۔''علی اب بہت پڑھتا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور میری خواہش پوری کرے گا۔''

''یار مجھے جان کر خوشی ہوئی کے علی محنت کر رہا ہے ۔ وہ انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوگا۔ آمین''۔ رفیق شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوجاتا ہے۔ رفیق اپنے گھر کے راستے کی طرف مڑتا ہے کہ اس کو اپنے گھر کے دروازے کے باہر ایک ہجوم دکھائی دیتا ہے۔

رفیق گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے کہ دروازے کے باہر کھڑا

ہجوم ، رفیق کو پیچھے دھکیل دیتا ہے ۔ عمر رسیدہ رفیق آہستہ آہستہ قدم جماتے ہوئے اٹھتا ہے۔اور گھر کے دوسرے دروازے سے اندر داخل ہوتا ہے ۔گھر میں داخل ہوتے ہی رفیق کو کچھ لوگ نظر آتے ہیں۔

جو علی کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ رہے ہوتے ہیں۔ رفیق علی کو چھڑانے کے لیے بہت منتیں سماجتیں کرتا ہے ، لیکن وہ لوگ ہر بار ڈٹ کر یہی جواب دیتے ہیں۔ ''اس نے ہم سے ادھار لیا تھا جو اس نے ہمیں واپس نہیں لٹایا۔''

رفیق ادھار کا سنتا ہے تو اپنی سونے کی انگوٹھی اتار کر ان اوباش لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ لوگ انگوٹھی پکڑتے ہی علی کو گھسیٹ کر نیچے پھینک دیتے ہیں۔رفیق اپنی عزت کا جنازہ اٹھتا دیکھ کر سوائے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا ،علی اپنے چچا جس کو وہ ابو کہتا ہے مار کے ڈر سے اپنی نظریں نیچی کر لیتا ہے۔

دن گزرتے جاتے ہیں اور علی کے امتحان قریب آتے جاتے ہیں۔علی ہر دن یہی کہتا ہے۔

''میں آج پڑھائی کروں گا لیکن افسوس وہ آج کبھی نہیں آتا ۔''علی ہر دن اپنے چچا کو یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ

''میں پورا پورا دن پڑھائی کرتا ہوں۔ آپ فکر مند نہ ہوا کریں۔ میں میٹرک میں فرسٹ ڈویژن حاصل کروں گا۔''

علی کی لگی لپٹی ، مکھن لگی باتوں پر چچا ہمیشہ کی طرح بھروسہ کر لیتا ہے ۔ اور ہر بار اپنے دل کو تسلی دیتا ہے کہ''

مجھے یقین ہے علی میری امید نہیں توڑے گا۔میرا سر فخر سے بلند کرے گا۔''

آخر کار وہ دن بھی آجاتا ہے جب علی کا پہلا پرچہ ہوتا ہے۔چچا بڑے مان کے ساتھ علی کو پرچہ دینے کے لیے امتحانی مرکز چھوڑنے جاتا ہے۔ چچا روزانہ باقاعدگی سے علی کو امتحانی مرکز چھوڑتا اور پرچہ ختم ہوتے ہی علی کو گھر واپس لے آتا۔

اللہ اللہ کرتے علی کے پیپر ختم ہو جاتے ہیں، علی کو اپنے پیپر ختم ہوتے ہی یوں لگتا ہے جیسے اس کی زندگی واپس لوٹ آئی ہو۔علی چھٹیوں میں خوب آوارہ گردی کرتا ہے۔فلمیں دیکھتا ہے، گیمز کھیلتا ہے، اور موج مستی میں اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔علی کی سانس پھولی ہوتی ہے، دل کی دھڑکن جیسے ابھی بند ہو جائے گی۔ یہ دن وہ دن ہوتا ہے جب علی کا رزلٹ آنا ہوتا ہے، چچا علی کا رول نمبر لے دکان پر رزلٹ معلوم کرنے جاتا ہے تو دکان دار رول نمبر دیکھ کر کہتا ہے۔

لڑکے کا نام علی ہے جس پر چچا ہاں میں سر ہلا دیتے ہیں۔ دکاندار کے بتائے ہوئے نمبروں پر چچا کو یقین نہیں آتا۔ دکان دار چڑ کر کہتا ہے۔

''میں آپ کو کتنی دفعہ کہوں آپ کو میری بات سمجھ نہیں آتی آپ کا بیٹا دو مضامین میں فیل ہے۔'' یہ حقیقت جان کر رفیق افسردگی کے عالم میں اداس چہرے کے ساتھ راشد کی دکان پر جاتا ہے۔ راشد رفیق کا چہرہ دیکھ کر ہی جان لیتا ہے۔کہ علی پاس نہیں ہوا۔

راشد حوصلہ دیتے ہوئے کہتا ہے۔

''یار جو ہونا تھا ہوگیا اب پریشان ہونے کا کیا فائدہ ؟'' راشد کی بات سن کر رفیق کہتا ہے۔

’’تو بالکل ٹھیک سمجھا تھا لیکن میں غلط تھا۔ مجھے اتنی امیدیں وہ بھی علی سے وابستہ ہی نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ راشد میرے دوست ۔۔۔علی ،وہ میری امید نہیں بلکہ میرا یقین تھا لیکن وہ امید بھی آج ریزہ ریزہ ہوگئی۔‘‘

شہید

ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہے۔ امین فون پر اپنے دوست سے گفتگو میں مصروف ہے۔صوفے پر بیٹھے ہوئے ابو امین سے پوچھتے ہیں۔

''امین کس سے بات کر رہے ہو؟''

''ابو اپنے دوست حمزہ سے۔''

''بیٹا کیا کوئی مسئلہ ہے؟''

''نہیں ابو جان''

''پھر تم اتنے اُداس کیوں ہو؟''

''ابو میری خواہش ہے۔''

''کیا ابو میری خواہش ہے کہ میں حق کے لیے تلوار اٹھاؤں، ظلم کو روکوں، انسانوں کی مدد کروں۔ لوگوں کی تکلیفوں کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں۔''ابو امین کی یہ باتیں سن کر ایک لمحے کے لیے چپ ہو جاتے ہیں۔ امین ابو کی یہ خاموشی دیکھ کر ڈر جاتا ہے کہ کیا میں نے کوئی غلط بات کی ہے؟

''ابو میں نے کچھ غلط کہا ہے۔''

''نہیں بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ میرے بیٹے کے دل میں انسانیت کی

خدمت کا جذبہ موجود ہے ۔ جو ایک اچھی بات ہے۔''ابو کی یہ بات سن کر امین کو خوشی ہوتی ہے۔

''ابو میں چاہتا ہوں کہ میرا شمار بھی ان عظیم لوگوں کی صف ہو جنہوں نے اس ملک کے لیے بہت سی قربانیاں دیں، جو اس ملک کی خاطر شہید ہوئے ۔''

''امین اس کے لیے ضروری ہے کہ تم تحمل مزاج بنو۔ ہر ایک سے اچھے انداز میں پیش آؤ۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو سکوں دو۔ سب سے اہم بات یہ کہ اپنے غصے پر قابو رکھو۔''امین ایک لمبی سانس بھرتا ہے ۔۔۔ اور کہتا ہے ۔

''ابو مجھے یقین ہے کہ میں آپ کی ان تمام نصیحتوں پر عمل کروں گا۔''امی کچن سے آواز دیتی ہے ۔

''امین بیٹا کھانا کھالو۔''

''اچھا میں آ کر کھالوں گا۔ میں حمزہ کے گھر جا رہا ہوں ۔''

'' میری بات سنو۔جلدی گھر واپس آ جانا شہر کے حالات بہت خراب ہیں ۔''

''پھر وہی بات ہمارا بیٹا بہت سمجھدار ہے تم فکر مند نہ ہوا کرو۔''

''میں جانتی ہوں لیکن وہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔''ہنستے ہوئے ۔۔۔''ہاں وہ چھوٹا ضرور ہے مگر اس کی سوچ بہت بڑی ہے۔''

حمزہ اپنے گھر کے باغیچے میں بیٹھا کسی کا نتظار کر رہا ہے ۔ اچانک سے اسے امین نطر آتا ہے۔

''امین آ گئے تم ، میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا''۔

''حمزہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟''

''امین تم جانتے ہو کہ ہمارے سکول کے جو ساتھ سکول تھا۔ وہاں کل دہشت گردوں نے دھماکہ کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں بہت سے بچے زخمی اور شہید ہوئے ہیں۔''

حمزہ کی یہ بات سن کر امین افسردہ ہو جاتا ہے۔

''حمزہ میرا دل کرتا ہے کہ میں ان دہشت گردوں سے پوچھوں کہ کون سا مذہب معصوم بچوں کے قتل کو جہاد کہتا ہے؟''

''امین ہم سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔''

''حمزہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''حمزہ بہت وقت ہو گیا ہے۔''

''میں اب گھر جاتا ہوں۔ میں جلدی میں امی کی بات سنے بغیر آ گیا۔ اللہ حافظ!'' امین گھر میں داخل ہوتا ہے کہ اس کو امی باہر صحن میں چارپائی پر بیٹھی ملتی ہے۔ امین حیران ہو کر امی سے کہتا ہے۔

''امی آپ باہر کیوں بیٹھی ہیں؟''

''میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ امین تمہارے لیے کھانا لاؤں۔''

''نہیں امی دل نہیں کر رہا۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ صبح کھا لوں گا۔'' چمکتے ہوئے سورج کی کرن امین کے چہرے پر پڑتی ہے۔

'' آج کی صبح کتنی خوب صورت ہے۔'' امین اپنی دنیا میں مست ہو کر باتیں کرنے میں محو ہے۔

’’مجھے لگتا ہے کہ میری دیرپا خواہش پوری ہونے کا دن ہے۔‘‘

امین یونیفارم پہن کر کچن میں آتا ہے۔’’امی ناشتہ تیار ہے۔؟‘‘

امی امین کی طرف کبھی نا ملنے والی نظروں سے دیکھتی ہے کہ ایسے میں بس کے ہارن کی آواز سنائی دیتی ہے۔ امین بس کے ہارن کی آواز سنتے ہی امی کو خدا حافظ کہتا ہے اور بستہ اٹھا کر چلا جاتا ہے۔

امی کو یاد آتا ہے کہ میں نے امین کو خدا حافظ نہیں کہا، امی امین کے پیچھے جاتی ہے لیکن وہ جا چکا ہوتا ہے۔

قبرستان

ہر طرف خاموشی ہے ، کتنی پرسکون زندگی ہے ، یہاں کوئی کسی کو تنگ نہیں کرتا ۔ اچانک ایک درد بھری آواز روشنی کے کانوں میں پڑتی ہے ۔۔۔۔

'' روشنی تم کہاں ہو؟ میں تمہیں ہی بلا رہی ہوں۔'' روشنی پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے لیکن ہر بار کی طرح وہ آواز کہیں گم ہوجاتی ہے ۔ روشنی کو چھت پر کسی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوتی ہے۔ روشنی دوبارہ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے مگر اس بار روشنی کی آپی رباب ہوتی ہے ۔ جو روشنی کو ڈھونڈنے کے لیے چھت پر آتی ہے ۔ روشنی آپی کو دیکھ کر کہتی ہے۔

'' آپ نے تو مجھے ڈرادیا۔''

روشنی کو چھت پر پا کر رباب کہتی ہے ۔۔۔

''میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے چھت پر نہ آیا کرو اور اکیلے تو ہرگز نہیں تم میر بات کیوں نہیں مانتی ؟''

'' مجھے نیچے بہت گھٹن ہورہی تھی اس لیے میں چھت پر ہوا لینے آئی تھی۔''

روزانہ کی طرح روشنی آج بھی مختلف بہانے بناتی ہے ۔ رباب ہمیشہ کی طرح آج بھی سمجھاتی ہے۔

''روشنی میری بہن چھت کے سامنے قبرستان ہے تم ہر وقت قبرستان کی طرف دیکھتی رہتی ہو روشنی رباب کی بات کاٹتے ہوئے بولتی ہے''۔

''آپی کتنا سکون ہے مجھے یہاں پر امی ابو کی خوشبو آتی جیسے وہ مجھے بلا رہے ہوں۔''رباب پھر وہی بات سن کر چڑ جاتی ہے۔

''روشنی امی ابو کی موت ہو چکی ہے وہ تمہیں کیسے آواز دے سکتے ہیں۔تم فوراً چھت سے نیچے آؤ۔''آپی کا غصہ دیکھ رکر روشنی چھت سے نیچے آجاتی ہے۔

روشنی چھت سے نیچے تو آجاتی ہے لیکن اس کی آنکھوں میں وہی منظر وہی قبرستان کی آوازیں خاموشی صاف دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔رباب بیگ پکڑ کر اسکول جانیکی تیاری میں مصروف ہوجاتی ہے ۔کہ بس کے ہارن کی آواز سنائی دیتی ہے۔

رباب جلدی میں بیگ پکڑ کر نکل جاتی ہے۔

روشنی گھر میں تن تنہا کبھی دیواروں کو دیکھتی ہے اور کبھی خود کو روشنی کا دل کرتا ہے کہ وہ بھاگ کر قبرستان کی طرف نکل جائے روشنی ہر بار خود سے لڑتی ہے اور کہتی ہے میں اب چھت پر نہیں جاؤں گی۔

روشنی خوش ہونے کے لیے اور اپنے ذہن کو تروتازہ کرنے کے لیے ٹی ۔وی لگاتی ہے لیکن ٹی ۔وی لگا کر بھی وہ صرف ڈراؤنی فلم ہی دیکھتی ہے۔

اچانک روشنی کی نظر گھڑی پر پڑتی ہے ۔گھڑی پر دوپہر کے ۳ بج چکے ہوتے ہیں۔

''آپی ابھی تک سکول سے کیوں نہیں آئی؟'' روشنی ہر بار خود سے سوال کرتی ہے کہ اسی دوران رباب آجاتی ہے۔

''آپی آپ آگئیں'' روشنی آپی کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتی ہے۔

''ہاں روشنی آج تھوڑی دیر ہوگئی مجھے آج بینک سے تنخواہ لینے جانا تھا۔''

''میں تمہارے لیے پیزا لائی ہوں ۔ آؤ دونوں مل کر کھاتے ہیں۔ پیزے کا سن کر روشنی یہ کہہ کر چلی جاتی ہے۔

'' آپی میرا دل نہیں کر رہا مجھے بھوک نہیں ہے آپ کھالیں۔'' روشنی کا بدلہ ہوا رویہ دیکھ کر رباب پریشان ہوجاتی ہے۔

''روشنی تم کہاں ہو؟ میں تمہارا انتظار کررہا رہی ہوں۔'' پھر وہی آواز روشنی کے کانوں میں پڑتی ہے، روشنی گھبرا کر اُٹھتی ہے، اور کھڑکی سے دیکھتی ہے۔ ہر جانب اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ آسمان پر چاند کبھی نظر آتا ہے اور کبھی غائب ہوجاتا ہے۔

روشنی کو کھڑکی سے قبرستان ہی دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔ بے چینی کے عالم میں روشنی بیڈ سے نیچے اُترتی ہے دروازہ کھولتی ہے اور چلتی جاتی ہے، روشنی یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ قبرستان پہنچ گئی ہے۔

رُباب پانی پینے کے لیے بیڈ سے اٹھتی ہے اور دیکھتی ہے کہ دروازہ کھلا ہوا ہے وہ پانی کو میز پر چھوڑ کر روشنی کے کمرے میں جاتی ہے لیکن روشنی کمرے میں موجود نہیں ہوتی۔

رُباب ننگے پاؤں صحن سے باہر نکل جاتی ہے اور روشنی کو قبرستان میں کھڑا

دیکھ کر پکارتی ہے

''روشنی مجھے دیکھو روشنی واپس آجاؤ۔''

مگر روشنی چلتی جاتی ہے۔وہ اپنی آپی کی آواز کو سن کر بھی اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹاتی۔

روشنی قبرستان کی مٹی کو چومتی ہے اور چلتی جاتی ہے۔